BROWN
BOOK ONLY

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222657
UNIVERSAL
LIBRARY

دیوان غالب اردو

مع

شرح دیوان غالب

CHECKED. 195

و

مقدمہ مفید مشتمل بر حالات غالب و تنقید کلام غالب

از

سید فضل الحسن حسرت موہانی بی اے

سابق ایڈیٹر اردوئے معلی علی گڑھ

جسکو

احقر العباد محمد حسن نے اپنے

انوار المطابع لکھنؤ وکٹوریہ پریس میں چھاپکر

شائع کیا

قیمت [illegible]

دیباچہ طبع اوّل

سبب تالیف جس زمانہ میں راقم الحروف علی گڈھ کالج میں تعلیم پاتا تھا وہاں اردوئے معلّٰی کے نام سے ایک مفید علمی انجمن قائم تھی جس میں کالج کے بامذاق طالب علم مختلف علمی مسائل پر عموماً اور اساتذۂ اردو کے کلام پر خصوصاً مضامین لکھا کرتے تھے انجمن مذکور کے اکثر اعضا ایسے بھی تھے جو بربنائے شوق زندہ دلی جلسہائے انجمن میں وقت مقررہ سے پہلے پہونچ جاتے تھے اور آغاز جلسہ تک غالب کے مشکل اور نازک اشعار کے معانی و مطالب کی نسبت بحث ہوا کرتی تھی چنانچہ راقم کو بھی حل دیوان غالب کا خیال اسی ذریعہ سے پیدا ہوا۔

اگرچہ بوجوہ چند در چند اس انجمن کا وجود قائم نہ رہ سکا اور اکثر احباب کا زمانہ قیام کالج بھی ختم ہو گیا غرضکہ وہ محفل ہی برہم ہو گئی لیکن راقم کے دل میں شرح دیوان غالب کا خیال قائم رہا اور کچھ دنوں میں پورے دیوان کی شرح تیار ہو گئی۔

شکریہ احباب ۱۹۰۴ء میں انجمن اردوئے معلّٰی کے بعض اراکین کالج بہ اتفاقیہ طور پر پھر جمع ہو گئے اور کبھی کبھی شعر و سخن کا بھی چرچا ہونے لگا راقم حروف نے اس موقع کو غنیمت سمجھکر اکثر شام کی نشستوں میں اپنی تحریر کردہ شرح بھی سنانا شروع کی اور اکثر موقعوں پر اپنے محترم دوستوں مثلاً قاضی شمس الضحٰی صاحب[1] اخگر بی اے۔ پروفیسر ظریف محمد صاحب[2] ایم اے۔ حاجی محمد خان صاحب بی اے۔ محمد حامد صاحب بی اے، ڈپٹی کلکٹر رانچی، میرزا محمد اکرم صاحب بی اے ڈپٹی کلکٹر سیونی کے مشورۂ صائب اور نکتہ چینی درست سے بہت کچھ فائدہ اُٹھایا اور اُسی زمانے سے اس مجموعے کی اشاعت کا بھی خیال پیدا ہوا۔

طریق شرح بعض احباب کی یہ رائے تھی کہ پہلے دیوان ہو اُس کے بعد شرح لیکن راقم نے بلحاظ آسانی ناظرین اس طریق کو ترجیح دی کہ ہر غزل کے بعد اُس کے مشکل اشعار کا مطلب درج کر دیا جائے تاکہ بار بار ورق اُلٹنے کی زحمت نہ اُٹھانا پڑے۔

اداے مطالب اشعار میں سب سے زیادہ لحاظ اختصار اور سادگی کا رکھا گیا ہے یعنی جہانتک ہو سکا ہے شعر کا صرف ایک مفہوم مختصر عبارت میں صاف صاف لکھ دیا ہے مشکل الفاظ کے لغوی معنی علیحدہ لکھنے کے بجائے اشعار کی شرح کے ضمن میں اس طور پر ادا کر دیئے گئے کہ قلیل

---

[1] افسوس کہ آپ نے ایل ایل بی ہو کر بمقام گورکھپور انتقال کیا۔

[2] افسوس کہ مسٹر ظریف نے بھی بحالت سفر بمقام وزیگاپاٹم ۱۹۱۵ء میں انتقا

تامل سے خود بخود واضح ہو جائین۔ مبتدیون کے لیے یہ اختصار شاید نامناسب ثابت ہو لیکن راقم نے محض مبتدیون کے خیال سے کتاب کی طوالت کو جائز نہ رکھا۔

شکریۂ شارحین دیوان غالب کی کئی شرحین پہلے سے موجود تھین مثلاً (۱) حضرت مجدد الوقت شوکت میرٹھی کی شرح جسمین بعض بعض اشعار کے سات سات معنی بیان کر کے داد تحقیق دی گئی ہو لیکن راقم حروف اپنے قصور فہم کے باعث سے اُن دقیق مطالب کے سمجھنے اور اُن سے فائدہ اُٹھانے سے محروم رہا (۲) وثوق صراحت از والہ حیدرآبادی جو درحقیقت بعض نوٹون اور اشارون کا مجموعہ ہو جن کی مدد سے غالباً والہ مرحوم کا ارادہ شرح لکھنے کا تھا یہ اشارے اگرچہ نامکمل ہین لیکن اُن کے مفید ہونے مین کوئی شبہ نہین ہے۔ جن دو چار مقامون پر اس کتاب سے مدد ملی ہے وہان اسکا اظہار کر دیا گیا ہو۔ (۳) یادگار غالب مین مولانا حالی نے زیادہ مشکل اشعار کے معنی نہین لکھے ہین لیکن جو کچھ لکھا ہو بہت خوب لکھا ہے چنانچہ بعض بعض اشعار کا مطلب بجنسہٖ نقل کر کے اُس کا حوالہ دیدیا گیا ہو (۴) شرح دیوان غالب از مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی۔ یہ شرح سب شرحون سے بہتر ہو۔ راقم حروف کو یہ اس وقت ملی جبکہ دیوان کی شرح چھپ چکی تھی تاہم قصاید غالب کی شرح مین اس سے بہت کچھ مدد ملی جس کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔

دیباچہ طبع ثانی طبع اول مین بعض اشعار کی شرح بہت مختصر اور اس لیئے مبہم رہ گئی تھی۔ اِس اڈیشن مین حتی الامکان یہ نقص رفع کر دیا گیا ہے۔ علاوہ برین جن بعض اشعار کا مفہوم ہی مولف کے ذہن مین غلط آیا تھا اُن کے صحیح مطالب غور مزید کے بعد از سر نو تحریر کیے گیے ہین۔

اس باب مین مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی کی شرح دیوان غالب کے علاوہ بعض احباب خصوصاً محمد فاروق صاحب دیوانہ گورکھپوری سے بھی قابل قدر مدد ملی جنھون نے ایک خاص تنقیدی مضمون کے ذریعہ سے ترمیم شرح و نظر ثانی کی جانب خصوصیت کے ساتھ توجہ دلا کر راقم حروف کو ممنون احسان کیا۔

دیباچہ طبع ثالث طبع اول مین کتاب کی تقطیع ۲۰×۳۰ چھوٹی تھی اور طبع ثانی مین ۲۰×۲۶ اور اب طبع ثالث مین ۱۸×۲۲ کی متوسط تقطیع قرار دی گئی ہو اور آئندہ یہی قائم رہیگی اشعار کے مطالب مین جا بجا خفیف ترمیم و توضیح کے سوا طبع دوم و سوم مین اور کوئی فرق نہین ہو فقط حسرت موہانی علیگڈھ ۱۲ اگست ۱۹۱۱ع

۱۱ البتہ مین جا بجا خفیف ترمیم توضیح مزید کے سوا طبع سوم و چہارم مین کوئی فرق نہین ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

غالب کا حال

نام و خاندان۔ مرزا اسد اللہ خان نام غالبؔ تخلص المعروف بہ میرزا نوشہ الملقب بنجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ (از جانب بہادر شاہ ظفر) اُردو میں کبھی اسدؔ بھی تخلص کرتے تھے مرزا کے آبا و اجداد ایبک قوم کے ترک تھے چنانچہ ایک قطعہ میں خود لکھتے ہیں ؎

ایبکم از جماعۂ اتراک	در تمامی ز ماہ دہ چندیم
فن آبائے ما کشاورزیست	مرزبان زادۂ سمرقندیم

مرزا کے دادا سمرقند سے آکر شاہ عالم کے عہد میں فوج میں نوکر ہوئے تھے اور مرزا کے والد عبد اللہ بیگ خان پہلے لکھنؤ میں نواب آصف الدولہ کے ہاں نوکر ہوئے اسکے بعد حیدرآباد میں ۳۰۰ کی جمعیت سے کئی برس تک ملازم رہے آخر میں الور پہونچے وہاں ایک گڑھی پر یورش کی اثنا میں اُن کے گولی لگی اور انتقال کیا۔ غرضکہ ہندوستان میں مرزا کا خاندانی پیشہ سپاہ گری رہا اور اس سے پہلے بھی تھا جیسا کہ اُنھوں نے خود لکھا ہے ؎

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری	کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

میرزا عبد اللہ بیگ خان کی شادی کمیدان خواجہ غلام حسین خان رئیس آگرہ کی بیٹی سے ہوئی تھی چنانچہ میرزا ماہ رجب سنہ ۱۲۱۲ھ میں آگرے ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش و تعلیم بھی پائی۔

تعلیم۔ شیخ معظم اُس زمانے میں آگرے کے نامی معلموں میں سے تھے۔ میرزا نے ابتدا میں اُنھیں سے تعلیم پائی لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میرزا میاں نظیر اکبرآبادی کے شاگرد تھے۔ ممکن ہے کہ یہ روایت بھی صحیح ہو کیونکہ میاں نظیر بھی آگرے کے مشہور معلم تھے۔ لیکن یہ شاگردی صرف ابتدائی فارسی کتابوں تک محدود تھی ورنہ شاعری کے باب میں میرزا کو مبدء فیاض

کے سوا نہ شیخ معظم سے تلمذ تھا نہ میان نظیر سے اور یہی حال فارسی کا بھی ہے کہ کہنے کو مرزا نے دو سال تک عبدالصمد ایرانی سے فارسی زبان سیکھی ورنہ درحقیقت اس زبان سے اُن کو قدرتی مناسبت تھی ملا عبدالصمد جن کا آتش پرستی کے زمانے مین ہرمزد نام تھا عربی کے بھی فاضل تھے لیکن مرزا نے عربی صرف و نحو کے سوا اور کچھ استاد سے نہین پڑھا تھا البتہ اپنی فطری قابلیت سے اُنھون نے وہ کچھ حاصل کر لیا تھا کہ مولانا فضل حق خیرآبادی مرحوم سے جید عالم کے روبرو ہر قسم کے علمی مباحثون اور تذکرون مین بھی شریک رہتے تھے اور اس سلیقے سے گفتگو کرتے تھے کہ مولانا سے مرحوم کو باوجود کوشش مرزا کا مبلغ علم دریافت نہ ہو سکا۔

حلیہ عنفوان شباب مین مرزا شہر کے نہایت حسین و خوش رو جوانون مین شمار کیے جاتے تھے اور بڑھاپے مین بھی اُن کے چہرے اور قد و قامت سے حسن و خوبصورتی کے آثار نمایان طور پر نظر آتے تھے اور اس حالت مین بھی وہ ایک نووارد تورانی معلوم ہوتے

مسکن ۱۲۲۵ھ مین مرزا کی شادی نواب الٰہی بخش خان معروف کے ہان ہو گئی اور اس تقریب سے رفتہ رفتہ اُنھون نے آگرے کو چھوڑ کر دہلی کی سکونت اختیار کر لی اور پھر آخر عمر تک دہلی مین رہے لیکن وارستہ مزاجی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ کرایے کے مکان مین رہے کبھی کوئی مکان اپنے لیے نہین خریدا، اسی طرح مطالعے کے لیے بھی باوجودیکہ ساری عمر تصنیفات کے شغل مین گذری کبھی کوئی کتاب نہین خریدی ہمیشہ کرایے پر کتابین منگواتے رہتے تھے

پنشن مرزا کے چچا نصراللہ بیگ خان انگریزی فوج مین رسالدار تھے اور ان کے نام آگرے مین دو پرگنے مقرر ہو گئے تھے۔ ان کے بعد سرکار نے اُن کے وارثون کی پنشن فیروزپور جھرکہ کی ریاست سے مقرر کرا دین جس مین سے ۷۵۰ سالانہ مرزا کو غدر تک ملتا رہا مگر فتح دہلی کے بعد تین برس تک پنشن قلعے کے تعلقات کی وجہ سے بند رہی علاوہ برین بہادر شاہ کی طرف سے جو پچاس روپے ماہوار خاندان تیمور کی تاریخ نویسی کے عوض مین ملتے تھے اُن کا ملنا بھی موقوف ہو گیا۔ غرضکہ دو سال مرزا نے بہت عسرت کی حالت مین بسر کیے مگر دو سال کے بعد نواب یوسف علیخان مرحوم رئیس رامپور نے سو روپیہ ماہوار

ے لیے مقرر کردیا جو نواب کلب علی خان مرحوم نے بھی بدستور مرزا کے آخر د
رکھا اور غدر سے تین برس بعد جب میرزا ہر ایک الزام سے بری ثابت ہ
ری پنشن بھی جاری ہوگئی تاہم اُن کو وہ فارغ البالی نصیب نہ ہوئی جو اُ
ں اور کمال کے شایان تھی لیکن مرزا کبھی اُس کے لیے دل تنگ نہ ہوتے تھے۔

اولاد و شاگرد ابتدا میں مرزا کے سات بچے ہوئے مگر کوئی زندہ نہیں رہا۔ غدر
چند سال قبل جب اُن کی بی بی کے بھانجے زین العابدین خان عارف کا انتقال ہوگ
میرزا نے اُن کے دو بیٹوں کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ وہ اُن کو حقیقی اولاد سے
بڑھ کر عزیز رکھتے تھے۔ مگر مرزا کے بعد دونوں جوان عمر میں فوت ہوگئے۔

عارف سے مرزا صاحب کو غایت درجہ کا تعلق تھا کیونکہ قرابت کے علاوہ مرزا
شاگردوں میں وہ نہایت خوش فکر اور معنی یاب طبیعت رکھتے تھے اور باوجود پر گوئی کے
خوش گو تھے اُنھیں کے مرنے پر میرزا نے وہ مشہور اور دردناک غزل لکھی ہے جس کا ایک شعر یہ ہے

ہاں اے فلک پیر جوان تھا ابھی عارف	کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

عارف کے علاوہ میرزا کے اور بھی کئی شاگرد مشہور و معروف ہیں مثلاً

(۱) نواب ضیاء الدین خان جو فارسی میں نیر اور اردو میں رخشاں تخلص کرتے تھے۔

(۲) منشی ہرگوپال تفتہ اکبرآبادی جن سے فارسی کے چار ضخیم دیوان یادگار رہیں۔

[illegible] مرزا قربان علی بیگ سالک جن کا کلیات چھپ گیا ہے اور قابل دید ہے۔

[illegible] مہدی حسین مجروح جن کا دیوان شائع ہوچکا ہے اور جن کے نام عود ہندی [illegible]
[illegible] اکثر خطوط درج ہیں۔

(۵) [illegible] حسین حالی جن کے تصنیفات مشہور ہیں۔ راقم نے مرزا کے حالات زیا
اُنہیں [illegible] گار غالب سے منتخب کرکے لکھے ہیں۔

(۶) نواب علاء [illegible] علائی (۷) ذکریا خان زکی (۸) مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میرٹھی گو
حافظ خان محمد خان [illegible] حسین عاشق۔ میاں داد خان سیاح نواب شہاب الدین۔

۱۔ آخر میرزا [illegible]

لدین خان راقم ۔عزیز آگاہ ۔ ادیب ۔مقصود ۔سخن ۔شایق ۔ اور طالب بھی قابل ذکر ہین ۔

ینفات | مرزا کے تصانیف مین سے تقریباً کل چیزین چھپ کر شایع ہو چکی ہین ۔ مثلاً

) دیوان اُردو جس کو مولانا فضل حق خیرآبادی کی راے سے مرزا نے اپنے بڑے دیوان منتخب کرکے چھپوایا ہے ۔

)عود ہندی (۳) اردوے معلی ۔ اِن دونون کتابون مین مرزا کے خطوط ہین جن کی نسبت ُبالغہ یہ کہنا صحیح ہے کہ موجودہ اُردو انشا پردازی کی بنا انھین نے ڈالی ہے

کلیات نثر و نظم فارسی (۵) قاطع برہان اور اُس کے جواب الجواب ۔ قاطع برہان مین نے برہان قاطع کی غلطیان نکالی تھین ۔ اِس کتاب کی بعض لوگون نے سخت مخالفت ثلاً مولوی احمد علی پروفیسر مدرسہ ہگلی نے مؤید البرہان اور حافظ عبدالرحیم میرٹھی ساطع برہان لکھی اِن دونون کتابون کا جواب میرزا نے تیغ تیز اور نامۂ غالب مین دیا

) پنج آہنگ (۷) مہر نیمروز یعنی خاندان تیموری کی تا[illegible] تاریخ ہمایون کے حالات تک

) دستنبو حالات غدر مین (۹) گل رعنا یعنی انتخاب دیوان اُردو فارسی جس مین ے ہم نے چند ایسے اشعار جو مطبوعہ دیوان مین نہین ہین ۔ اس کتاب کے آخر مین نقل یے ہین (۱۰) لطائف غیبی اور سید چین وغیرہ متفرق رسالے ۔

لاق و عادات | مرزا کے اخلاق و عادات کی نسبت یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اُن کی ت اگلے زمانے کے شرفا کی وضع و صفات کا بہترین نمونہ تھی ۔

وسیع الاخلاق ایسے تھے کہ ہر مذہب اور ملت مین اُن کے بیشمار خاص دوست جود تھے اور بیماری کی حالت مین بھی وہ اپنے دوستون کے خطوط کے جواب اور زلون کی اصلاح سے باز نہ آتے تھے ۔

فراخ حوصلگی کا یہ عالم تھا کہ سائل اُن کے دروازے سے خالی ہاتھ بہت کم وہ غریبون اور محتاجون کی مدد اپنی بساط سے زیادہ کرتے تھے ۔ ایس لیے تہ تھے خودداری کی یہ کیفیت تھی کہ بازار مین بغیر پالکی یا ہوادار کے مائد شہر مین سے جو لوگ اُن کے مکان پر نہین آتے تھے وہ بھی کبھی

اُن کے مکان پر نہین جاتے تھے۔ اور یہ قصہ تو عام طور پر مشہور ہے کہ جب دہلی کالج کی پروفیسری کے لیے مرزا صاحب بُلائے گئے تو صرف اِس بات پر واپس چلے آئے کہ مسٹر ٹامسن جو ممالک مغربی و شمالی کے لفٹنٹ گورنر بھی ہو چکے تھے ان کے استقبال کو نہین آئے۔

ان صفات کے علاوہ مرزا بڑے حق پسند، راست گفتار، منکسر مزاج اور غیر متعصب تھے چنانچہ کسی کو اُن کے اصلی مذہب کی بابت سوا اِس کے اور کچھ نہ معلوم ہوا کہ اُن کو اہل بیت رسالت سے بے انتہا عشق تھا اور بس۔ غالباً مرزا شیعہ تفضیلیہ تھے لیکن مولانا فخر الدین قدس اللہ سرہ کے خاندان کے مرید بھی تھے اور انتقال کے بعد نواب ضیاء الدین خان مرحوم نے تجہیز و تکفین کے تمام مراسم اہل سُنت کے موافق ادا کیے۔

باوصف ان خوبیوں کے بربناے آزادہ روی و رندانہ مزاجی مرزا کے شغل شراب اور اُسکے متعلق بہت سی حکایتوں اور لطیفوں کا تذکرہ آب حیات آزاد۔ اور یادگار غالب مین موجود ہے۔

علاوہ برین مرزا کو شطرنج اور چوسر کھیلنے کی بہت عادت تھی۔ اور چوسر جب کبھی کھیلتے تھے براے نام کچھ بازی بدکر کھیلا کرتے تھے۔ اِسی چوسر کی بدولت ۱۲۶۴ھ مین کوتوال شہر کی دشمنی سے مرزا کو کچھ دنون قید کی بھی سختی اُٹھانا پڑی۔

شعر و سخن کے باب مین مرزا کو اپنے کمال فن پر بہت کچھ ناز تھا اور بجا تھا۔ وہ خسرو اور فیضی کے سوا، ہندی شعرا مین سے کسی کو خاطر مین نہ لاتے تھے چنانچہ جس زمانے مین کہ مرزا اپنی پنشن کے بارے مین استغاثہ پیش کرنے کلکتے گئے ہین اور وہان کے بعض لوگون نے اُن کے اشعار پر اعتراض کرکے مرزا قتیل کا قول سنداً پیش کیا ہے تو آپ نے جواب مین مثنوی بادِ مخالف لکھی جس کے دو چار شعر یہ ہین۔

اے تماشائیان ژرف نگاہ — ہان بگوئید حسبۃً للہ
دامن از کف کنم چہ گونہ رہا — طالب و عرفی و نظیری را
خاصہ روح و روان معنی را — آن ظہوری جہان معنی را

	نیستند گفتگوے اینانم آن کہ سطے کردہ این واقف را		مست الست سبوے اینانم چہ شناسد قتیل و واقف را

لیکن اِس آن بان کے ساتھ انصاف کو بھی کبھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے چنانچہ شیخ ابراہیم ذوقؔ جن کی نسبت مشہور ہے مرزا کو اُن سے چشمک تھی ایک روز کسی نے مرزا کے سامنے اُن کا یہ شعر پڑھا ؎

	اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہین کہ مر جائینگے		مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

مرزا شطرنج کھیل رہے تھے اِس شعر کو سُن کر شطرنج چھوڑ دی۔ بار بار اِس کو پڑھواتے تھے اور سر دھنتے تھے۔ اسی طرح مومن کا یہ شعر ؎

	تم مرے پاس ہوتے ہو گویا		جب کوئی دوسرا نہین ہوتا

سُن کر کہا کاش مومن خان میرا سارا دیوان لے لیتا اور صرف یہ شعر مجھ کو دے دیتا۔ اس بیان سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ سخن سنجی کی طرح سخن فہمی مین بھی مرزا یکتاے روزگار تھے۔ سلامتی طبع۔ محققانہ نظر اور حق پسندی مین بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے نہ کبھی کسی کو بیجا داد دی اور نہ کبھی قابل داد کلام سے ستایش جائز دریغ رکھا۔

خاتمہ مرزا نے ۷۳ برس چار مہینے کی عمر مین ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۹ء کی ۱۵ فروری کو انتقال کیا اور درگاہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا قدس سرہ مین دفن ہوے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرنے سے پہلے اُنھون نے اپنی تاریخ وفات "غالب مرد" کہی تھی لیکن مرزا کا انتقال آٹھ سال بعد ہوا اور اکثر لوگون نے "آہ غالب بمرد" سے تاریخ نکالی۔ مرزا کو چونکہ عوام سے سخت نفرت تھی چنانچہ اسد کو بدلکر غالب تخلص رکھنے کی وجہ بھی یہی بیان کی جاتی ہے کہ اُس زمانے مین اسد کسی معمولی شاعر کا تخلص بھی نکل آیا تھا اور اپنے پیش کردہ مادہ تاریخ کے غلط ہونے کی توجیہ بھی مرزا نے اِس طور پر کی کہ ۱۲۷۷ھ مین "مین" اس لیے نہ مرا کہ اُس سال وباے عام تھی اور مجھ کو عوام کے ساتھ مرنا منظور نہ تھا فقط

مرزا کی شاعری

میر تقی میر نے جو مرزا کے ہم وطن تھے اُن کے لڑکپن کے اشعار سُن کر یہ کہا تھا کہ "اگر اس لڑکے کو کوئی استاد کامل مل گیا اور اُس نے اُس کو سیدھے رستے پر ڈال دیا تو لاجواب شاعر بن جائیگا۔ ورنہ مہمل بکنے لگے گا"

اِس قول سے معلوم ہو سکتا ہو کہ میر صاحب کی نظر تنقید سخن کے باب مین کتنی گہری اور سچی تھی حقیقت مین مرزا نے کچھ تو اپنی فطری ذکاوت اور دشوار پسندی کی بنا پر اور کچھ فارسی کی طبعی مناسبت اور ملا عبدالصمد کی تعلیم کے اثر سے ابتدا مین وہ جو بیدل کا سا رنگ اختیار کیا تھا، اگر اسی بنا پر قائم رہتے اور سلامت طبع یا بعض صحیح المذاق احباب کی نکتہ چینی تبدیلی رنگ سخن کا باعث نہ ہو جاتی تو اس مین کچھ شبہ نہین ہو کہ ان کا کلام مہمل سمجھا جاتا اور عوام کی طرح خواص مین بھی مقبول نہ ہوتا۔

لیکن مرزا کی قسمت مین چونکہ ایک عدیم المثال اور کامل شاعر ہونا لکھا تھا اس لیے بہ اعانت ذہن سلیم و طبع اثر پذیر اُن کے کلام سے اشکال اور پیچیدگیون کا عیب بتدریج کم ہو کر ہنر کے درجے کو پہونچ گیا۔

ابتدائی رنگ سخن ملاحظہ ہو ؎

اسدؔ ہم وہ جنون جولان گدائے بے سر و پا ہین	کہ ہی سر پنجۂ مژگان آہو پشت خار اپنا
یک قدم وحشت سے درس دفتر امکان کھلا	جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا
یک ذرۂ زمین نہین بیکار باغ کا	یان جادہ بھی فتیلہ ہی لالے کے داغ کا
جادۂ رہ خور کو وقت شام ہی تار شعاع	چرخ وا کرتا ہی ماہ نو سے آغوش وداع
از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ	طوطی کو شش جہت سے مقابل ہی آئینہ
حسن بے پروا خریدار متاع جلوہ ہے	آئینہ زانوے فکر اختراع جلوہ ہے

ان اشعار مین اشکال مضمون کے علاوہ الفاظ بھی اس قدر غریب اور ثقیل آئے ہین جنھین کوئی شخص تعریف نہین کر سکتا۔

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا مرزا کی شاعری سے ثقل و پیچیدہ کلامی کا یہ عیب رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا۔ چنانچہ اُن کے اشعار کا درمیانی رنگ فی الجملہ قابل اعتراض نہیں ہے بلکہ بعض بعض موقعوں پر فارسی الفاظ اور ترکیبوں کو اُردو کے ساتھ اس بندوبست اور ہنر کے ساتھ ملایا ہے کہ اُس کی داد نہ دینا ظلم ہے۔ ملاحظہ ہو ـ

تپش سے میری وقف کشمکش ہر تار بستر ہے — مرا سر رنج بالیں ہے مرا تن بار بستر ہے
سرشک سر بصحرا دادہ نور العین دامن ہے — دل بیدست و پا افتادہ برخوردار بستر ہے
خوشا اقبال رنجوری عیادت کو تم آئے ہو — فروغ شمع بالیں طالع بیدار بستر ہے
ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے — صبح وطن ہے خندۂ دنداں نما مجھے
آشفتگی نے نقش سویدا کیا درست — ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

یہاں پر نقش درست کیا، فارسی نقشے درست کردن کا ترجمہ ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ مرزا نے اسکے ترجمہ کو دو شعر میں کس طرح گوارا بنا دیا ہے۔ اس قسم کے ترجموں کی متعدد مثالیں مرزا کے کلام سے مل سکتی ہیں جو قابل اعتراض نہیں ہیں لیکن مستحق ستایش بھی نہیں ہو سکتیں مثلاً ع "شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا" یہاں مرغوب آیا محاورہ فارسی کا تتبع ہے ع اُگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر، "تماشا کر" بھی "تماشا کردن" سے لیا گیا ہے۔

نہ ہو حسن تماشا دوست رسوا بیوفائی کا — بہ مہر صد نظر ثابت ہے دعوی پارسائی کا
زکات حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا — چراغ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا
تمنائے زباں محو سپاس بے زبانی ہے — مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بیدست و پائی کا
نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھدے — کہ حسرت سنج ہوں عرض ستمہائے جدائی کا

مطلع میں "رسوا بیوفائی کا" ترجمہ ہے "رسوائے بیوفائی" کا

دوسرے شعر میں جلوۂ بینش کی دلکش ترکیب اور باقی دو شعروں میں اردو اور فارسی الفاظ کی خوبی آمیزش کو مرزا کے درمیانی رنگ سخن کا پسندیدہ نمونہ سمجھنا چاہیئے۔

اہل نظر پر مخفی نہ ہوگا کہ یہ انداز اگرچہ اسی ابتدائی اور اُلجھے ہوئے فارسی انداز سے مشتق اور مماثل ہے لیکن مشق اور احتیاط نے دونوں میں کس قدر فرق نمودار

کردیا ہے۔ وہ ثقیل اور ناگوار تھا۔ یہ لطیف اور گوارا بلکہ منظور اور مرغوب ہے اُس مین نقص اور خامی کی علامتین پائی جاتی تھین تو اُس مین کمال اور پختگی کی جھلک نظر آنے لگی ہے ارباب مذاق دیکھین گے کہ مرزا کے کلام کا یہ حسن روز افزون یہین پر نہین ٹھہرا بلکہ [illegible] کے ساتھ خوبی اور دل پذیری کے تمام مدارج طے کرکے اس مرتبے [illegible] ہوا کہ عدیم المثالی کی شان مین یکتا قرار پایا۔ ملاحظہ ہو ؎

سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہوگئین	خاک مین کیا صورتین ہونگی کہ پنہان ہوگئین
نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتین اُسکی ہین	تیری زلفین جسکے بازو پر پریشان ہوگئین
[illegible] کیا بھی مین تو اُنکی گالیون کا کیا جواب	یاد تھین جتنی دعائین صرف دربان ہوگئین
رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج	مشکلین اتنی پڑین مجھ پر کہ آسان ہوگئین
کسی کو دیکے دل کوئی نوا سنج فغان کیون ہو	نہ ہو جب دل ہی سینے مین تو پھر منھ مین زبان کیون ہو
وہ اپنی خو نہ چھوڑینگے ہم اپنی وضع کیون چھوڑین	سبک سر بنکے کیا پوچھین کہ ہمسے سرگران کیون ہو
یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے	ہوئے تم دوست جسکے دشمن اُسکا آسمان کیون ہو
کہا تم نے کہ کیون ہو غیر کے ملنے مین رسوائی	بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہان کیون ہو

اس آخری شعر کے مصرع ثانی مین مرزا نے تکرار الفاظ اور شوخی بیان کا نہایت غریب نمونہ پیش کیا ہے۔ اور یہ وہ انداز کلام ہے جو مرزا کے ساتھ مخصوص تھا۔ اسی رنگ کا اور بھی ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

نہین کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہین	شب فراق سے روز جزا زیاد نہین

اس مطلع مین بھی مصرع اول کی نفی بصورت مین "نہین" کا لفظ مصرع مین اس سلیقے اور اہتمام کے ساتھ رکھا گیا ہے کہ پورے شعر مین جان پڑگئی ہے

مرزا کے اس آخری انداز کلام مین فصاحت اور بلاغت کی شانین اس خوبی کے ساتھ فراہم ہوئی ہین کہ کمال سخن سنجی کی اس سے بہتر مثال ذہن مین نہین آتی۔ کیا خوب لکھا ہے ؎

حضور شاہ مین اہل سخن کی آزمایش ہے	چمن مین خوش نوایان چمن کی آزمایش ہے

نہین کچھ سبحہ و زنار کے پھندے مین گیرائی
وفاداری مین شیخ و برہمن کی آزمایش ہے

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلّی نہ سہی
امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

نہ ستایش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہین ہین مرے اشعار مین معنی نہ سہی

دل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی
دونون کو اِک ادا مین رضامند کر گئی

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیان کہان
اُٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

دیکھو تو دل فریبی انداز نقش پا
موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروے شیوۂ اہل نظر گئی

فردا و دی کا تفرقہ یک بار مِٹ گیا
کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی

مرزا کے خصوصیات کلام مین سے یہ بات عجیب ہے کہ جب کبھی وہ فارسی ترکیبون سے گذر کر سہل ممتنع پر آجاتے ہین تو سادگی اور روانی کا دریا بہا دیتے ہین۔ مثلاً۔

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ہم ہین مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

جان تم پر نثار کرتا ہون
مین نہین جانتا دعا کیا ہے

ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید
جو نہین جانتے وفا کیا ہے

مین نے مانا کہ کچھ نہین غالب
مُفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

کب وہ سنتا ہے کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری

کیا بیان کر کے مرا روئینگے یار
مگر آشفتہ بیانی میری

منحصر مرنے پہ ہو جسکی اُمید
نا اُمیدی اُسکی دیکھا چاہیے

تھسر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
کاش کے تم مرے لیے ہوتے

جب توقع ہی اُٹھ گئی غالب
کیون کسی کا گِلا کرے کوئی

ہو چکین غالب بلائین سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

هم بھی تسلیم کی خو ڈالین گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی
قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہین ہے تو عداوت ہی سہی
یار سے چھیڑ چلی جائے اسد
گر نہین وصل تو حسرت ہی سہی

ان اشعار کی خوبی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان مین سے اکثر مقبول انام ہو کر ضرب المثل کے درجے تک پہونچ چکے ہین۔

یہان تک مرزا کے الفاظ۔ ترکیب اور بندش کی خوبیون پر بحث کر کے جب ہم اُن کے کلام پر بحیثیت مضمون و معنی نظر ڈالتے ہین تو اس شان مین بھی اُسے یکتا تسلیم کرنا پڑتا ہے یعنی اس لیے کہ جذبات انسانی کی جیسی سچی تصویر مرزا نے بصورت اشعار پیش کی ہے اُس کا جواب میر کے بعد کسی دوسرے شاعر کے کلام مین مشکل سے دستیاب ہو سکے گا۔

لاریب مرزا نے بعض اشعار کے اجمال مین سلسلۂ خیالات و جذبات کی ایسی تفصیل پنہان کی ہے جن کی تشریح کے لیے دفتر بھی ناکافی ثابت ہون تو عجب نہین۔ ملاحظہ ہو۔

کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا
پرسش ہے اور پاے سخن درمیان نہین
ہے اُس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے
تکلف برطرف تھا ایک انداز جنون وہ بھی
مین سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہون
یعنے سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا
گو مین رہا رہین ستمہاے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہین رہا
عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب
دل کا کیا حال کرون خون جگر ہونے تک
کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیمکش کو
یہ خلش کہان سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ داماں خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے
دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
مین نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل مین ہے
بس ہجوم ناامیدی خاک مین ملجائے گی
وہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل مین ہے
بیان کیجئے تغافل کہ کچھ امید بھی
یہ نگاہ غلط انداز تو سم ہے ہم کو

ارباب شوق غور کرین کہ ان اشعار مین سے ہر شعر وسعت و حقیقت مضمون کے لحاظ سے ایک دفتر سے کم نہین ہے۔

کسی ایسے مضمون کا تلاش کرنا جو کسی کے ذہن مین نہ گذرا ہو بڑا ہنر ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر کمال ان مضامین کا ادا کرنا ہے جو صاحب دل لوگون کے ہر وقت پیش نظر رہتے ہین - اور جن سے ہر صاحب درد واقف ہوتا ہے لیکن جن کا اظہار بذریعۂ الفاظ نہین ہو سکتا۔

اس قسم کے خیالات کا قید بیان مین لانا ہر شخص کا کام نہین ہے۔ لاریب مرزا نے مندرجۂ بالا اشعار مین جذبہ نگاری کا وہ کمال صرف کیا ہے جس کی مثال ایشیائی شاعری تو کیا مغربی شاعری مین بھی بدقت دستیاب ہوگی۔

کلام غالب کے صفات معنوی مین دوسرے درجے پر وہ خصوصیت ہے جس کو نزاکت معنی سے تعلق ہے اور یہی وہ خوبی ہے جس سے مرزا کے اشعار کی دلچسپی توجہ اور غور کے ساتھ افزون ہوتی جاتی ہے۔ جب پڑھیے گا نیا سرور حاصل ہوگا اور جب بار دیکھیے گا وسعت مضمون اور نزاکت معنی کی کیفیتون کو نئی اور پہلے سے بہتر صورت مین جلوہ گر پائیے گا۔ مثلاً

(۱) کہتے ہو نہ دینگے ہم دل اگر پڑا پایا	دل کہان کہ گم کیجے ہم نے مدعا پایا

سرسری طور پر ملاحظہ کیجیے تو اس شعر کا مفہوم معمولی معلوم ہوتا ہے لیکن نگاہ غور سے دیکھیے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے مدعا پایا یعنی ہم آپ کا مطلب سمجھ گئے کہ آپ نے ہمارا دل پا لیا ہے اور یہ باتین کہ اگر ہم تیرا دل پائین گے تو نہ دین گے دل پا لینے کے بعد کی ہین یعنی جیسے لوگ گم شدہ چیز پا کر چھیڑنے کے لیے مالک شے سے کہا کرتے ہین۔

(۲) تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا	اورون پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا

اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ تو کسی کا بھی دوست نہین ہے اور تیرا جور مجھی پر نہین ہے بلکہ اورون پر بھی ہے اور مجھ سے زیادہ ہے۔ لیکن غور کرنے سے یہ بھی

مطلب ممکن ہے کہ شاعر کہتا ہو کہ جو ظلم مجھ پر نہین ہوا وہ تو اورون پر کر رہا ہے اور مجھے چونکہ شرکت اغیار کسی صورت سے گوارا نہین ہے اس لیے تیرا ظلم نہ کرنا بھی گویا مجھ پر ایک ظلم عظیم ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ میرے متعلق تیرا ترک جور بر بنائے دوستی نہین ہے۔"

(۳) کون ہوتا ہے حریف مے مردافگن عشق		ہے مکرر لب ساقی مین صلا میرے بعد

اس شعر کے ظاہر معنی یہ ہین کہ جب سے مین مر گیا ہون مے مردافگن عشق کا ساقی یعنی معشوق بار بار صلا دیتا ہے یعنی لوگون کو شراب عشق کی طرف بلاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے بعد کوئی شراب عشق کا خریدار نہین رہا اس لیے اسکو بار بار صلا دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

مگر زیادہ غور کرنے کے بعد جیسا کہ مرزا خود بیان کرتے تھے اس مین ایک نہایت لطیف معنے پیدا ہوتے ہین۔ وہ یہ ہین کہ پہلے مصرع کو وہ مکرر پڑھ رہا ہے ایک دفعہ بلانے کے لہجے مین پڑھتا ہے "کون ہوتا ہے حریف مے مردافگن عشق" یعنی کوئی ہے جو مے مردافگن عشق کا حریف ہو؟ پھر جب اس آواز پر کوئی نہین آتا تو اسی مصرعے کو مایوسی کے لہجے مین مکرر پڑھتا ہے "کون ہوتا ہے حریف مے مردافگن عشق"، یعنی کوئی نہین ہوتا۔ (از یادگار غالب)

(۴) کیونکر اس بت سے رکھون جان عزیز		کیا نہین ہے مجھے ایمان عزیز

اس شعر سے دو نازک معنی پیدا ہوتے ہین ایک تو یہ کہ اس بت پہ جان قربان کرنا عین ایمان ہو دوسرے یہ کہ وہ بت میرا ایمان ہو پس جان ایمان پر سے قربان۔

(۵) مجھکو دیار غیر مین مارا وطن سے دور		رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

"رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم" کیونکہ دیار غیر مین میرا کوئی شناسا نہ تھا اس لیے اگر وہان بیکسی اور کس مپرسی کی حالت مین موت آئی تو کچھ زیادہ ذلت نہ ہوئی یا یہ کہ وطن سے دور مارے جانے مین بیکسی کی شرم رہ گئی کیونکہ وطن مین مارا جاتا تو بیکسی کی تکمیل نہ ہوتی۔

(۶) قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں		مین جانتا ہون وہ جو لکھینگے جواب مین

"مین جانتا ہون وہ جو لکھین گے جواب مین" یعنی مجھکو معلوم ہو کہ وہ کچھ نہ لکھین گے مطلب یہ ہے کہ اگر اُن کی جانب سے کسی تحریر کے آنے کی امید ہوتی تو دوسرا خط لکھنے کے لیے اس کا انتظار کیا جاتا۔ لیکن چونکہ مجھ کو خوب معلوم ہے کہ وہ کچھ نہ لکھین گے اِس لیے جواب خط کا انتظار بے کار ہے چاہیئے کہ "قاصد کے آتے آتے الخ

(۷) دوستی کا پردہ ہے بیگانگی		منھ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیئے

کہتا ہے کہ تم مجھ سے خصوصیت کے ساتھ مُنہ چھپانا چھوڑ دو یعنی جس طرح سب کے ساتھ بے تکلف بے حجاب اور بیگانہ وار رہتے ہو اُسی طرح میرے ساتھ بھی رہو۔ کیونکہ اس قسم کی بیگانگی دوستی کا پردہ ہوتی ہے یعنی اس سے لوگون کو محبت کا حال معلوم نہین ہونے پاتا۔

مثالاً یہ چند اشعار اور اُن کے علاوہ اور بہت سے شعر ایسے ہین جن کے مفہوم پر جسقدر غور کیجیے گا اُسی قدر اُس کی نزاکت دریافت ہوتی جاے گی۔

اِن چند مخصوص خوبیون کے علاوہ مرزا کا کلام شاعری کے عام محاسن کے اعتبار سے بھی ممتاز نظر آتا ہی۔

استعارون کی ندرت، تشبیہون کی تازگی اور اشارون کی نزاکت و لطافت کی مثالون سے مرزا کا دیوان بھرا پڑا ہی۔

عامیانہ مذاق اور مبتذل بازاری الفاظ نیز فحش اور ہجو سے مرزا کا کلام بالکل پاک ہی۔ مرزا کی شاعری عاشقانہ ضرور ہے لیکن اُنھون نے عشق کے معنے بوالہوسی کے نہین لیے ہین اور اِس لیے اُن کے خیالات مین دنائت اور پستی کے بجاے متانت اور شایستگی کی ایسی شان پائی جاتی ہی جس کی مثال شعراے لکھنؤ کے کلام مین ناپید ہے اور متاخرین شعراے دہلی کے کلام مین کمیاب۔

ہمنے مرزا کی شاعری کے باب مین جو کچھ لکھا ہی وہ اُس کی مجموعی حیثیت سے

لحاظ سے لکھا ہے ورنہ از قبیل شاذ اُن کے دیوان مین ایسے اشعار اور الفاظ بھی موجود ہین جن پر مذاق صحیح اور زبان صحیح دونون کی جانب سے اعتراض وارد ہو سکتے ہین۔ مثلاً۔

۱۔ بینس ہین گذرتے ہین جو کوچے سے وہ میرے	کندھا بھی کہارون کو بدلنے نہین دیتے

اس شعر کا مذاق مرزا کی شان شاعری کے بالکل خلاف ہے جسے ہم عام طور پر گھٹیا خیالات اور الفاظ سے پاک بیان کر چکے ہین۔

۲۔ غم کھانے مین بودا دل ناکام بہت ہے	یہ رنج کہ کم ہے مے گلفام بہت ہے
۳۔ بھون پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے	مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے
۴۔ جلا ہے جسم جہان دل بھی جل گیا ہوگا	کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

یہان دوسرے شعر مین "بودا"، تیسرے مین "بھون" اور چوتھے مین "کریدتے ہو" بغایت ناگوار اور ثقیل الفاظ استعمال کیے گئے ہین۔

۵۔ خدا شرمائے ہاتھون کو کہ رکھتے ہین کشاکش مین	کبھی میرے گریبان کو کبھی جانان کے دامن کو

اس شعر مین پہلا مصرعہ خوب ہے لیکن دوسرے شعر مین "جانان کا دامن" نہایت غیر فصیح واقع ہوا ہے۔

۶۔ بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوار یار مین	فرمانروائے کشور ہندوستان ہے

یہان "کشور ہندوستان" کی فارسی ترکیب مین اعلان نون غلط ہے۔ اگرچہ اس کی نسبت یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ مرزا کے وقت تک ایسا لکھنا ناجائز نہین سمجھا جاتا تھا۔

۷۔ دل اُسکو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے	ہمین دماغ کہان حسن کے تقاضا کا

یہان "تقاضے کا" کی جگہ "تقاضا کا" بالکل بیقاعدہ اور محض بضرورت قافیہ استعمال کیا گیا ہے۔

۸۔ سادہ پرکار ہین خوبان غالب الخ۔

یہان خوبان کا لفظ اُردو محاورے کے خلاف ہے۔

۹۔ قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالب	وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

۱۰۔ شبنم بہ گل لالہ نہ خالی ز ادا ہے	داغ دل بے درد گنذر گاہ حیا ہے

ان دونوں شعروں میں "نہیں" کی جگہ "نہ" غلط آیا ہے۔

۱۱۔ آمد سیلاب طوفان صدائے آب ہے	نقش پا جو کان میں رکھتا ہو انگلی جادہ سے
بزم وحشت کدہ ہے کس کی چشم مست کا	شیشے میں نبض پری پنہاں ہے موج بادہ سے

یہاں پر دوسرے شعر پر نظر کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ قافیہ "بادہ" اور "جادہ" ہے۔ لیکن پہلے شعر میں اردو ترکیب کے اعتبار سے "جادے سے" چاہیے نہ کہ "جادہ سے" اور اس لیے قافیہ غلط ٹھہرتا ہے۔

۱۲۔ اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں	غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

یہاں پر قاعدے کے رو سے "مجھے" کے بعد "اپنی اوقات سے" آنا چاہیے تھا لیکن مرزا نے خلاف قاعدہ "مجھے میری اوقات سے نفرت ہے" نظم کر دیا ہے۔

مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی نے اپنی شرح دیوان غالب میں مرزا کی اس قسم کی اور بھی بہت سی غلطیاں دکھائی ہیں جن کا کچھ جواب نہیں ہو سکتا۔

ہمارے نزدیک صحت زبان و محاورہ کی جانب سے بے پروائی مرزا ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ شعرائے دہلی عموماً خوبی مضمون کے مقابلے میں درستی الفاظ کا زیادہ خیال نہیں رکھتے ہیں۔

زبان کے معاملے میں غالب کے دہلوی ہمعصروں میں سے استاد ذوق سب سے زیادہ محتاط ہیں اور اسی لحاظ سے ہمارے نزدیک اگرچہ بحیثیت مجموعی غالب ذوق و مومن سے افضل ہیں۔ لیکن صرف اردو شاعری کے لحاظ سے ذوق کا درجہ غالب اور غالب کا مرتبہ مومن سے بلند ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ردیف الف

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا ١ہ کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا
کاوکاوِ سخت جانیہاے تنہائی نہ پوچھ ٢ہ صبح کرنا شام کا لانا ہے جوے شیر کا
جذبۂ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے ٣ہ سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا
آگہی دام شنیدن جسقدر چاہے بچھائے ٤ہ مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

٥ہ بسکہ ہون غالب اسیری مین بھی آتش زیرپا
موے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

١ہ نقش بمعنی تصویر۔ تصویر چونکہ کاغذ پر ہوتی ہے اس لیے اُسے فریادی کہا کیونکہ ولایت مین فریادی کاغذی پیرہن پہن کر عدالت مین جاتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہستی چونکہ موجب ملال و آزار ہے اس لیے تصویر بھی اپنے صانع کی بزبان حال شکایت کرتی ہے کہ مجھکو ہست کرکے کیون مبتلاے رنج ہستی کیا۔ (ماخوذ از عود ہندی)۔ مقصود شاعر یہ ہے کہ ہستی بہر حال (یعنی اگرچہ مثل ہستی تصویر اعتباری محض ہو) موجب آزار ہے ١٢

٢ہ یعنی شبہاے ہجر کا کاٹنا ویسا ہی سخت ہے جیسا کہ فرہاد کے لیے جوے شیر کا لانا تھا۔ صبح کی سپیدی و جوے شیر مین جو مشابہت ہے وہ ظاہر ہے۔ کاوکاو سے کاوش و کاہش مراد ہے ١٢

٣ہ یعنی عاشق کے شوق شہادت کی کشش کا یہ اثر ہے کہ دم شمشیر سینۂ شمشیر سے باہر نکلا پڑتا ہے ١٢

٤ہ یعنی ہماری تقریر ایسی ہے کہ اُس کے مفہوم سے (باوجود کوشش بسیار) کوئی آگاہی حاصل نہین

کرسکتا ہے۔ دام شنیدن بچھانا" یعنی سن کر سمجھنا چاہیے ۱۲

ھ۵ آتش زیر پا محاورہ فارسی میں بے قرار کو کہتے ہیں موے آتش دیدہ یعنی بال جو آگ کو دیکھ کر حلقہ دار اور کمزور ہوگیا ہو اور اُس میں حلقہ زنجیر کی مشابہت پیدا ہوگئی ہے
مطلب یہ ہے کہ میرے جنون بیقرار کے مقابلے میں حلقہ ہائے زنجیر کی مضبوطی کی کچھ ہستی نہیں ہے آتش زیر پائی کی رعایت سے غالب نے حلقۂ زنجیر کو موے آتش دیدہ کہا ہے۔

شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا	۱ھ	تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا
بہ فیض بیدلی نومیدی جاوید آساں ہے	۲ھ	کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا
ہوائے سیر گل آئینۂ بے مہری قاتل	۳ھ	کہ انداز بخوں غلطیدن بسمل پسند آیا
۴ھ	جراحت تحفہ الماس ارمغاں داغ جگر ہدیہ مبارکباد اسد غمخوار جان دردمند آیا	

۱ھ تسبیح میں چونکہ سو دانے ہوتے ہیں اس لیے ظاہر ہے کہ شمار سبحہ سے "بیک کف بردن" کی تشبیہ نکلتی ہے مطلب یہ ہے کہ محبوب کو شمار سبحہ اس وجہ سے پسند ہے کہ اس میں حسب خواہش عادت محبوب ایک ہی وار میں سو دل لے لینے کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ ۱۲

۲ھ کشائش نے اپنا عمل کرنے کے لیے ہمارے عقدۂ مشکل (نومیدی جاوید) کو پسند کیا اور ہماری مشکل آسان ہوگئی۔ اس طور پر کہ ہم کو دنیا کی جانب سے جو بیدلی پیدا ہوگئی ہے اسکے سبب سے صدمۂ نومیدی جاوید کا برداشت کرنا آسان ہوگیا ہے۔ کیونکہ غایت بیدلی کی حالت میں امید و ناامیدی یکساں ہو جاتی ہیں۔

۳ھ مطلب یہ ہے کہ خواہش سیر گل سے اُس بیدرد کی بے مہری ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ اس جفا پسند کو تماشائے گل صرف اس وجہ سے پسند ہے کہ گل اپنی سُرخی کی بنا پر "بسمل بخوں غلطیدہ" سے مشابہ ہوتا ہے

۴ھ غمخوار جان دردمند یعنی عشق آیا ہے اور جراحت الماس و داغ جگر بطور ہدیہ ہمراہ لایا ہے ایسے ہدیوں پر مبارکباد دیکر اپنی ایذا دوستی کا اظہار کیا ہے۔ الماس کے کھا لینے سے دل و جگر زخمی ہو جاتے ہیں ۱۲

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار	۱ھ	صحرا مگر بہ تنگی چشم حسود تھا
آشفتگی نے نقش سویدا کیا درست	۲ھ	ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ		جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا
لیتا ہوں مکتبِ غمِ دل میں سبق ہنوز	۳	لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا
ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی		میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد
سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

۱ چشم حاسد کی تنگی مشہور ہے پس کہتا ہے کہ شاید صحرا بھی چشم حاسد کے مانند تنگ تھا کہ مجنون کے سوا صحرا نوردی کا پھر کوئی مرد میدان نہ نکلا۱۲

۲ سویدا کو داغ سے اور آشفتگی کو دود سے تشبیہ دی ہے مقصود شاعر یہ ہے کہ جسطرح دھوئیں سے داغ پیدا ہو جاتا ہے اُسی طرح آشفتہ خاطری اور پریشانی کے دود سے دلمیں داغ سویدا کی صورت قائم ہوتی ہے

۳ یعنی ہنوز مبتدی ہوں جسطرح لڑکے پہلے آمدنامہ پڑھتے ہیں کہ رفت کے معنے گیا اور بود کے معنی تھا اور لطف یہ ہے کہ رفت و بود دونوں ماضی کے صیغے ہیں جس سے مطلب یہ ہے کہ دل ابھی تک فراغت سے بالکل محروم ہے ۱۲

کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا	۱	دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے مدعا پایا
عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا	۲	درد کی دوا پائی دردِ بے دوا پایا
دوستدارِ دشمن ہے اعتمادِ دل معلوم	۳	آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا
سادگی و پرکاری بیخودی و ہشیاری	۴	حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا
غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل	۵	خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا
حالِ دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی		ہم نے بارہا ڈھونڈھا تم نے بارہا پایا
شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا	۶	آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا

۱ ہم نے مدعا پایا یعنی ہم آپ کا مطلب سمجھ گئے کہ آپ نے ہمارا دل پا لیا ہے اور یہ باتیں کہ "اگر ہم تیرا دل پائیں گے تو نہ دیں گے" دل پا لینے کے بعد کی ہیں یعنی جیسے لوگ کوئی گم شدہ چیز پا کر چھیڑنے کے [illegible] مالک شے سے کہا کرتے ہیں۔

۲ عشق ایک [illegible] لا دوا ہے لیکن وہی عشق درد زیست کی دوا بھی ہے کیونکہ اسی سے طبیعت نے زندگی کا مزا [illegible] بغیر عشق کے زندگی گویا ایک درد تھی۔ ۱۲

سه ہمارا دل دشمن کا دوست ہے اس لیے کہ اُس نے جو آہ کی تو بے اثر اور نالہ کیا تو نارسا
پس اس کا کیا اعتبار ہے۔ یہاں شاید دشمن سے دشمنِ عشاق۔ یا دشمنِ فاغ ضنکہ محبوب مراد ہے

سه اہلِ حسن کی ظاہری سادگی اور بے پروائی سے طلب یہ ہوتا ہے کہ اپنے مشتاقوں کی جرأت
کو آزمائیں یعنی یہ دیکھیں کہ اُن کو سادہ سمجھ کر اربابِ اشتیاق جرأت گستاخی
تو نہیں کرتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس قسم کی سادگی کو درحقیقت پرکاری اور بیخودی کو
ہشیاری سمجھنا چاہیے۔ ۱۲

سه یعنی غنچہ کو دیکھ کر ہم کو اپنا دل گم گشتہ و خون شدہ یاد آیا کہ اس کی بھی یہی ہیئت تھی
یا کہ آمدِ فصلِ گل سے ہمارا جوشِ جنون پھر تازہ ہو گیا ۱۲۔ یا یہ معنی معلوم کیا۔

سه آپ سے یعنی ناصح سے۔ آپ کا لفظ بطورِ طنز استعمال کیا گیا ہے۔

دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا		آتشِ خاموش کے مانند گویا جل گیا
دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں	(۱)	آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا	سه	میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا
عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں	سه	کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا
دل نہیں، تجھ کو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار	سه	اس چراغاں کا کروں کیا کارفرما جل گیا

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

سه اپنی نیستی کا حال بہ مبالغہ بیان کرتا ہے کہ پہلے جب میں فنا کے عالم میں تھا تو بارہا میری
آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا کہ وہ بھی عدم میں تھا لیکن اب تو میں اس درجہ عدم سے
بھی پرے ہوں — ۱۲

سه عرض کیجیے یعنی پیش کیجیے۔ جوہرِ اندیشہ کی گرمی کا بیان یہ ہے کہ وحشت کا صرف خیال آیا تھا
کہ اُس کے اثر سے صحرا جل گیا۔ یعنی چونکہ وحشت کی حالت میں صحرانوردی کی نوبت ضرور آتی اس لیے
خیالِ وحشت سے صحرا جلنے لگا۔

سه کارفرما یعنی حکم فرما۔ ہر کام کے لیے ایک کام لینے والا (کارفرما) اور بہت سے کام کرنے والے (کارکن) ہوتے ہیں

مطلب یہ ہے کہ دل جو اس چراغان یا داغون کی بہار کا کارفرما تھا وہی نہ رہا ورنہ تجھ کو اس چراغان کی کیفیت دکھاتا - ۱۲

شوق ہر رنگ رقیب سر و سامان نکلا	۱	قیس تصویر کے پردے مین بھی عریان نکلا
زخم نے داد نہ دی تنگیِ دل کی یارب	۲	تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشان نکلا
بوے گل، نالۂ دل، دود چراغ محفل		جو تری بزم سے نکلا سو پریشان نکلا
دل حسرت زدہ تھا مائدۂ لذت درد	۳	کام یارون کا بقدر لب و دندان نکلا
اے نوآموز فنا ہمت دشوار پسند	۴	سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسان نکلا

دل مین پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفان نکلا

۱ شوق یعنی عشق - رقیب یعنی دشمن - مطلب یہ ہے کہ عشق سر و سامان کا دشمن ہے دیکھ لو کہ مجنون تصویر مین بھی عُریان رہتا ہے - بقول غالب قیس کی تصویر عریان ہی کھینچی جاتی ہے - ۱۲

۲ ،، زخم نے داد نہ دی تنگیِ دل کی ؟ یعنی تنگی دل کو زائل نہ کیا -

مطلب یہ ہے کہ تیر خود ضیق مقام سے گھبرا کر پرافشان اور سراسیمہ نکل گیا وہ تنگیِ دل کی داد کیا دیتا (عود ہندی) اس شعر مین زخم تیر کی توہین بسبب ایک رخنہ ہونے کے کی ہے - مثلاً ایک دوسرے شعر مین بھی زخم تیغ کو جراحت پیکان پر فوقیت دی ہے لکھتا ہے ؎

نہین ذریعۂ راحت جراحت پیکان	وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دل کشا کہیے

۳ یعنی میرے یاران ہمنشین مین سے ہر ایک میری حسرت دل سے بقدر استعداد متاثر ہوا -

۴ درس فنا نہایت مشکل سمجھا جاتا ہے لیکن اے ہمت دشوار پسند یہ تو بڑی مشکل ہوئی کہ نوآموزی ہی کی حالت مین اُس کی آسانی تجھ پر کھل گئی اور اب تیرے طے کرنے کے لیے اس سے بھی زیادہ دشوار مرحلہ درکار ہوا -

مطلب یہ ہے کہ [illegible] ہمت دشوار پسند کے لیے فنا سے بالاتر کوئی مرتبہ چاہیے - کیونکہ فنا اُسے ایک آس[illegible]حلہ ثابت ہوا - ۱۲

دھمکی مین مر گیا جو نہ باب نبرد تھا	؎۱	عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا
تھا زندگی مین مرگ کا کھٹکا لگا ہوا		اُڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا
تالیف نسخہاے وفا کر رہا تھا مین	؎۲	مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا
دل تا جگر کہ ساحل دریاے خون ہو اب	؎۳	اِس رہ گذر مین جلوۂ گل آگے گرد تھا
جاتی ہو کوئی کشمکش اندوہ عشق کی	؎۴	دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا
احباب چارہ سازی وحشت نہ کر سکے		زندان مین بھی خیال بیابان نورد تھا

یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ جان کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

؎۱ باب نبرد یعنی لایق نبرد۔ مرد میدان عشق۔

؎۲ یعنی ابتدا ہی سے مین بندۂ عشق و وفا ہون غضب کہ خیالات مین یکجہتی اور جمعیت بھی نہین آئی تھی

؎۳ اس رہگذر مین (یعنی دل سے جگر تک) کسی زمانے مین شادابی کا یہ عالم تھا کہ جلوۂ گل اُسکے آگے گرد تھا یا اب یہ کیفیت ہے کہ وہی رہگذر دریا سے خون کا ساحل بنا ہوا ہے۔ ۱۲

؎۴ یعنی دل کے جانے کے بعد بھی اندوہ عشق کی کشمکش نہ گئی کیونکہ اس حالت مین دل کے جانے کا افسوس رہا بقول میر تقی ؎

غم رہا جب تک کہ دم مین دم رہا	دل کے جانے کا نہایت غم رہا

دہر مین نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا	؎۱	ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا
سبزۂ خط سے ترا کاکل سرکش نہ دبا	؎۲	یہ زمرد بھی حریف دم افعی نہ ہوا
مین نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹون		وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا
دل گذرگاہ خیال مے و ساغر ہی سہی	؎۳	گر نفس جادۂ سر منزل تقوی نہ ہوا
ہون ترے وعدہ نہ کرنے مین بھی راضی کہ کبھی	؎۴	گوش منت کش گلبانگ تسلی نہ ہوا
کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجیے		ہم نے چاہا تھا کہ مر جائین سو وہ بھی نہ ہوا

؎۵
مر گیا صدمۂ یک جنبش لب سے غالب
ناتوانی سے حریف دم عیسی نہ ہوا

سلہ عبادت برق کی کرتا ہون اور افسوس حاصل کا	سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی

بقدرِ ظرف ہے ساقی خمارِ تشنہ کامی بھی سلہ
جو تو دریائے مے ہے تو مین خمیازہ ہون ساحل کا

سلہ افسوس حاصل کا۔ یعنی اپنی ہستی کا۔ برق یعنی برق عشق مطلب یہ ہی کہ مین طاعت گزار ہون برق عشق اور طالب ہون فنا کا لیکن ساتھ ہی اسکے چونکہ الفت ہستی فطرت انسانی مین داخل ہے اس لیے جان بھی عزیز ہے پس اسمین حاصل یعنی ہستی کا افسوس کرتا ہون جس سے میرے کمال شوق فنا مین کسی قدر نقص بھی نمودار ہی ۱۲ مختصر یہ کہ مین موت کا طلبگار رہون اور اپنی ایسی زندگی پر افسوس کرتا ہون جسپر موت کو ترجیح ہی۔

سلہ ساقی کو دریائے شراب اور خود کو اُس کے ساحل کا خمیازہ قرار دیتا ہی۔ مطلب یہ ہی کہ اگر شراب پلانے مین ساقی کی ہمت بڑھی ہوئی ہی تو مجھ مین بھی اُسی کی نسبت سے دریانوشی کی قوت موجود ہی ۱۲

محرم نہین ہے تو ہی نواہائے راز کا	سلہ	یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہی ساز کا
رنگِ شکستہ صبحِ بہارِ نظارہ ہے	سلہ۲	یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا
تو اور سوئے غیر نظرہائے تیز تیز	سلہ	مین اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا
صرفہ ہے ضبطِ آہ مین میرا وگرنہ مین	سلہ۳	طعمہ ہون ایک ہی نفسِ جان گداز کا
ہین بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اُچھل رہے	سلہ۴	ہرگوشۂ بساط ہے سرِ شیشہ باز کا
کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہی ہنوز	سلہ۵	ناخن پہ قرض اس گرہِ نیم باز کا

تاراج کاوشِ غمِ ہجران ہوا اسد
سینہ کہ تھا دفینہ گہرہائے راز کا

سلہ یان یعنی دنیا مین۔ حجاب یعنی پردہ جسکو پردۂ ساز سے ساتھ مناسبت لفظی ہے۔
مطلب یہ ہے کہ راز کے نغمون سے تو خود ہی ناآشنا ہے ورنہ دنیا مین جو بظاہر حجاب نظر آتے ہین وہ بھی پردۂ ساز کی طرح بول رہے ہین اور کہہ رہے ہین اور اسرار الٰہی ظاہر کر رہے ہین" (یادگار غالب)
سلہ۲ شب وصل کی صبح کو محبوب کا رنگ شکستہ بہار نظارہ ہی" یعنی اُسکی دل پذیری قابل دید ہی اسلیے کہ گلہائے ناز کے شگفتہ ہونے یعنی اسکے سرگرم ناز و نیاز ہونے کا یہی خاص وقت ہے۔

ف۳ صرفہ یعنی فائدہ ضبط آہ میں میرا فائدہ ہے کیونکہ بحالت دیگر ایک ہی نفس جاں گداز مجھے فنا کر دیتا ۔۱۲

ف۴ شیشہ بازی رقاصی کا ایک فن ہے جسمیں رقاص پانی اور گلاب کی صراحیاں اور شیشے سر پر رکھ کر رقص کرتے ہیں لیکن شیشے گرنے نہیں پاتے یہاں شیشوں کے اُچھلنے کے سبب سے بزم عیش کے گوشۂ فرش کو شیشہ باز کا سر کہا ہے ۱۲

ف۵ یعنی ناخن نے میرے گرفتہ دل کو جیسا چاہیے تھا ویسا نہیں چھیڑا تھا اور گویا اُس پر دل کا قرض باقی رہ گیا تھا پس اب دل ناخن غم سے اُسی قرض کاوش کا تقاضا کر رہا ہے ۱۲

بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا	ف۱	رکھیو یا رب یہ در گنجینۂ گوہر کھلا
شب ہوئی پھر انجم رخشندہ کا منظر کھلا	ف۲	اِس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا در کھلا
گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب	ف۳	آستیں میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں نشتر کھلا
گو نہ سمجھوں اُسکی باتیں گو نہ پاؤں اُس کا بھید		پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا
ہے خیال حسن میں حسن عمل کا سا خیال	ف۴	خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا
منہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں		زلف سے بڑھکر نقاب اُس شوخ کے منہ پر کھلا
در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا		جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا
کیوں اندھیری ہے شب غم ہے بلاؤں کا نزول	ف۵	آج اُدھر ہی کو رہے گا دیدۂ اختر کھلا
کیا رہوں غربت میں خوش جب ہو حوادث کا یہ حال	ف۶	نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا

ف۱ بہادر شاہ ظفر کے مذاق سخن اور مجمع شعرا کے لحاظ سے بزم شاہنشاہ کو گنجینۂ گوہر کہا۔

ف۲ بتکدے میں چراغ روشن ہوتے ہیں ستاروں کو چراغ سے مشابہت دی ہے یا یہ کہ تارے خود بتوں سے مشابہ ہیں ۱۲

ف۳ یعنی ظاہر میں تو دوست کے ہاتھ میں فصد کے لیے نشتر موجود ہے جس سے ثابت ہو کہ اُسے ہمدردی ہے مگر آستین میں مجھے قتل کرنے کے لیے خنجر پوشیدہ ہے ۱۲

۵۴ کہتے ہین کہ اعمال نیک کی بدولت قبر مین دروازۂ جنت کھل جاتا ہے۔ یہان غالب خیالِ حسن کو حسنِ عمل سے مشابہ قرار دیتا ہی کیونکہ تصورِ حسنِ یار سے بھی گوشۂ لحد نمونۂ خلد بن گیا ہی ۱۲

۵۵ "کیون اندھیری ہے شبِ غم" اس کا جواب یہ ہے کہ آج بلاؤن کا نزول ہی جن کے اُترنے کا تماشا دیکھنے کی غرض سے ستارون کا رُخ زمین سے آسمان کی جانب پھر گیا ہے۔

۵۶ قاعدہ ہے کہ اخبارِ مرگ و حوادث کے متعلق خطوط اکثر کھلے ہی ہوے روانہ کیے جاتے ہین۔

۵۷ گنبدِ بے در کھلا یعنی شبِ معراج مین گنبدِ بے در یعنی آسمان ۱۲

شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابرآب تھا	۱	شعلۂ جوالہ ہر اک حلقۂ گرداب تھا
وان کرم کو عذرِ بارش تھا عنان گیرِ خرام	۲	گریے سے یان پنبۂ بالش کفِ سیلاب تھا
وان خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال		یان ہجومِ اشک مین تارِ نگہ نایاب تھا
جلوۂ گل نے کیا تھا وان چراغان آبِ جو		یان رواں مژگانِ چشمِ تر سے خونِ ناب تھا
یان سرِ پر شور بیتابی سے تھا دیوار جو	۳	وان وہ فرقِ نازِ محوِ بالشِ کمخواب تھا
یان نفس کرتا تھا روشن شمعِ بزمِ بیخودی		جلوۂ گل وان بساطِ صحبتِ احباب تھا
فرش سے تا عرش وان طوفان تھا موجِ رنگ کا		یان زمین سے آسمان تک سوختن کا باب تھا
ناگہان اس رنگ سے خونابہ ٹپکانے لگا	۴	دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذت یاب تھا
نالۂ دل مین شب اندازِ اثر نایاب تھا	۵	تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر گو بیتاب تھا
مقدمِ سیلاب سے کیا دل نشاط آہنگ ہے	۶	خانۂ عاشق مگر سازِ صدائے آب تھا
نازشِ ایامِ خاکستر نشینی کیا کہون	۷	پہلوئے اندیشہ وقفِ بسترِ سنجاب تھا
کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے ورنہ یان	۸	ذرہ ذرہ روکشِ خورشیدِ عالم تاب تھا
آج کیون پروا نہین اپنے اسیرون کی تجھے		کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا
یاد کر وہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا		انتظارِ صید مین اک دیدۂ بیخواب تھا

مین نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے
اُس کے سیلِ گریہ مین گردون کفِ سیلاب تھا

۱ یعنی میرے سوزِ دل کے خیال سے ابر کا پتا پانی ہوا جاتا تھا۔ اور اُس کی تاثیر سے پانی مین جو گرداب

پڑتے تھے وہ شعلہ ہاے جوالہ معلوم ہوتے تھے۔ ۱۲

۵۲ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ دہ قدر بارش کی بنا بر بیابان تک شہ آئے اور مین اس قدر رویا کہ کیے کی ردئی آنسوؤن سے تر ہوکر ہجوم اشک مین کف سیلاب کے مانند ہوگئی۔

۵۳ دیوار جو تھا یعنی سر ٹکرانے کے لیے دیوار تلاش کرتا تھا۔ اس پورے قطعے مین اپنی محرومی اور محبوب کی بے پروائی کا حال مختلف پیرایون مین مقابلہ کرکے دکھایا ہے۔

۵۴ اس رنگ سے خونابہ ٹپکانے لگا یعنی اس طور پر غزل سرا ہوا۔ یہ اس غزل کے دوسرے حصے کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲

۵۵ نایاب تھا یعنی نہ تھا۔ ۱۲

دوسرے مصرعہ مین نایابی اثر کی تشریح کرتا ہے کہ دل بیتاب تھا مگر کیا تھا گویا غیر کی بزم وصل کا سپند تھا یعنی اسکی بیتابی میرے فائدے کے خلاف تھی۔

۵۶ مقدم یعنی آنا۔ نشاط آہنگ یعنی مسرور ساز۔ صداے آب شلالہ جلترنگ۔

مطلب یہ ہے کہ عشاق کو اپنی بربادی اس قدر مرغوب ہوتی ہے کہ اپنے مکان مین سیلاب کے آنے سے وہ اس درجہ مسرور ہین کہ گویا جلترنگ سُن رہے ہین۔ ۱۲

۵۷ اندیشہ یعنی خیال خاک نشینی کے زمانے کی کیفیتین پوچھ کہ ہم خاک نشین بستر خاک کو بستر سنجاب سمجھا کرتے تھے۔ اور زمین پر ہم کو بستر سنجاب کی سی راحت ملتی تھی۔

۵۸ جنون نارسا۔ عشق ناتمام۔ رو کش۔ مقابل یعنی اگر عشق ناتمام نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ ذرہ آفتاب سے برابر ہوجاتا۔ لیکن نارسائی جنون نے اکتساب فیض سے محروم رکھا اور ایسا نہ ہونے پایا ۱۲

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب	۵۹	خون جگر ودیعت مژگان یار تھا
اب مین ہون اور ماتم یک شہر آرزو		توڑا جو تونے آئینہ تمثال دار تھا
گلیون مین میری نعش کو کھینچے پھرو کہ مین		جان دادہ ہواے سر رہگذار تھا
موج سراب دشت وفا کا نہ پوچھ حال	۶۰	ہر ذرہ مثل جوہر تیغ آب دار تھا
کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پر اب		دیکھا تو کم ہوے پہ غم روزگار تھا

۵۹ یعنی آنکھون سے اس قدر خون جاری رہتا ہے کہ گویا جگر مین جتنا خون تھا وہ مژگان یار کی

امانت تھا اور اِس لیئے اُس کے ایک ایک قطرے کا حساب اسی طرح دینا پڑے گا جسطرح امانت کا حساب دینا پڑتا ہی (یادگار غالب) ۱۲

۷؎ آئینے سے یہان آئینۂ دل اور یک شہر آرزو سے ہجوم تمنا مراد ہے ۱۲ یعنی تونے دلشکنی کرکے ہزارون آرزوؤن کا خون کرڈالا۔

۸؎ دشت وفا کی سراب کا ذرہ ذرہ تیغ آب دار کے جوہر سے مشابہ ہے یعنی اہل وفا کے قتل کا سامان رکھتا ہے ۱۲ فریب وفا کے لحاظ سے استعارہ سراب موزون ہے ۱۲

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا	۱؎	آدمی کو بھی میسر نہین انسان ہونا
گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی		در و دیوار سے ٹپکے ہے بیابان ہونا
واے دیوانگیِ شوق کہ ہر دم مجھکو		آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیران ہونا
جلوہ ازبسکہ تقاضاے نگہ کرتا ہے	۲؎	جوہر آئینہ بھی چاہے ہے مژگان ہونا
عشرت قتل گہ اہل تمنا مت پُوچھ	۳؎	عید نظارہ ہے شمشیر کا عریان ہونا
لے گئے خاک مین ہم داغ تمناے نشاط	۴؎	تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستان ہونا
عشرت پارۂ دل زخم تمنا کھانا	۵؎	لذت ریش جگر غرق نمکدان ہونا
کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ		ہاے اِس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

۶؎	حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب جس کی قسمت مین ہو عاشق کا گریبان ہونا

۱؎ انسان ہونا یعنی حقیقی صفات و سیرت انسانی کا پیدا کرنا۔

۲؎ یعنی حُسن یار کا تقاضا ہے کہ مجھے دیکھو اس لیئے آئینہ آنکھ اور جوہر پلکین بنجانا چاہتے ہین۔

۳؎ اہل تمنا تیری تلوار کو عریان دیکھ کر شوق شہادت مین ویسے ہی خوش ہوتے ہین جیسے لوگ عید کا چاند دیکھ کر ہوا کرتے ہین ۱۲

۴؎ بصد رنگ گلستان ہونا یعنی فرط مسرت سے باغ باغ ہونا۔ یعنی اب تم خوش ہوکہ ہم دنیا سے ناکام و نامراد گئے ۱۲ یہ طعن و طنز کی گفتگو ہے۔

۵؎ اپنی ایذا[illegible]ی کا اظہار کیا ہے ۱۲

سلہ یہ شعر نہایت خوب ہے لیکن دونون مصرعون مین قسمت کی تکرار نے کسی قدر بے لطفی پیدا کردی ہے۔ ۱۲

شب خمار شوق ساقی رستخیز اندازہ تھا	سلہ	تا محیط بادہ صورت خانۂ خمیازہ تھا
یک قدم وحشت سے درس دفتر امکان کھلا	س۲ہ	جادہ اجزاے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا
مانع وحشت خرامیہاے لیلے کون ہے	س۳ہ	خانۂ مجنون صحرا گرد بے دروازہ تھا
پوچھ مت رسوائی انداز استغناے حسن	س۴ہ	دست مرہون حنا رخسار رہن غازہ تھا
نالۂ دل نے دیے اوراق لخت دل بباد	شہ	یادگار نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا

سلہ شوق ساقی۔ ساقی کی آمد کا شوق جو بادہ کشون کے دل مین تھا رستخیز اندازہ یعنی قیامت کے مانند محیط بادہ خط ساغر جہان تک شراب ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شوق ساقی کے خمار مین کچھ اس قیامت کا جوش تھا کہ میخانے کی ہر شے یہان تک کہ شراب بھی خمیازہ کش ہو رہی تھی۔ اور اس طرح ہر ایک صورت خانۂ خمیازہ کی کیفیت پیش نظر ہوگئی تھی۔ غرضکہ مضمون یہ ہے کہ ساقی کی آمد کی ہر شے مشتاق و منتظر تھی۔

س۲ہ یک قدم وحشت یعنی اندک وحشت۔ دو عالم دشت سے کثرت مراد ہے۔ جادہ یعنی جادۂ وحشت کو اجزاے دو عالم دشت کا شیرازہ اس بنا پر کہا کہ یک قدم وحشت سے یعنی ذرا ہی سی وحشت سے تمام دفتر امکان کی حقیقت معلوم ہوگئی۔

مطلب یہ ہے کہ دفتر امکان کا درس بہ صحت عقل و ہوش بربنا ے خوف و کم ہمتی مشکل تھا وحشت نے اُسے آسان کردیا کیونکہ میاں کی وحشت و دیوانگی نے اُس پست ہمتی کو مٹا دیا۔

س۳ہ مجنون صحرا گرد کے گھر (یعنی صحرا) مین دروازہ بھی نہ تھا جو بند ہوتا اور لیلی اندر نہ جاسکتی پھر معلوم نہین کیا سبب مانع ہے کہ وہ کبھی بہ تقاضاے وحشت وہان تک نہین پہونچ جاتی۔

س۴ہ استغناے حُسن کی شان یہ تھی کہ اُسے کسی دوسری چیز کی ضرورت نہ ہوتی۔ پس یہ حنا اور غازے کا استعمال انداز استغنا کی رسوائی کا موجب ہے۔ ۱۲

شہ دل گویا ایک دیوان تھا اور لختہاے دل اس دیوان کے ورق تھے۔ نالۂ دل نے ان اوراق کو پریشان کردیا اور دل نے ایک دیوان بے شیرازہ کی شکل اختیار کرلی۔ ۱۲

دوست غمخواری مین میری سعی فرمائین
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئین گے کیا

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک
ہم کہین گے حال دل اور آپ فرماوینگے کیا

حضرت ناصح گر آئین دیدہ و دل فرش راہ
کوئی مجھکو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائین گے کیا

آج وان تیغ و کفن باندھے ہوے جاتا ہون مین
عذر میرے قتل کرنے مین وہ اب لاوینگے کیا

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یون سہی
یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جاوینگے کیا

خانہ زاد زلف ہین زنجیر سے بھاگینگے کیون
ہین گرفتار وفا زندان سے گھبراوینگے کیا

ہے اب اس معمورہ مین قحط غم الفت اسد سلہ
ہم نے یہ مانا کہ دلی مین رہین کھائین گے کیا

سلہ غم الفت جو میری غذا ہو وہ یہان مفقود ہے یعنی کوئی معشوق اب یہان دل لگانیکے قابل نہین رہا۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا سلہ
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیمکش کو سلہ
یہ خلش کہان سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

یہ کہان کی دوستی ہے کہ بنے ہین دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا سلہ
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

غم اگرچہ جان گسل ہے یہ بچین کہان کہ دل ہے سلہ
غم عشق اگر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

ہوے مر کے ہم جو رسوا ہوے کیون نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہین مزار ہوتا

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہین دو چار ہوتا

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

سلہ یعنے تیرے وعدے کو ۱۲ - اگر جھوٹ نہ جانتے تو شادی مرگ کی صورت

سلہ تیر نیکش یعنی وہ تیر جسکے لیے کمان پوری گھے کیا ہی آہستہ سے لگایا گیا ہو۔۱۲

سلہ شرار سنگ مین پنہان ہوتا ہی۔ غالب کہتا ہی کہ اگر اسنگ شرار غم کے مانند ہوتو رگ سنگ سے بھی ایسا لہو ٹپکتا کہ پھر نہ بند ہوتا۔ یعنی پتھر پر بھی غم کا اس قدر اثر ہوتا ۱۲۔

سلہ دل کبھی غم سے خالی نہین رہ سکتا اس لیے غم عشق ہی غنیمت ہے کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو دیگر افکار دنیا کا رنج لاحق ہوتا۔۱۲۔

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا	سلہ	نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا
تجاہل پیشگی سے مدعا کیا		کہان تک اے سراپا ناز کیا کیا
نوازشہاے بیجا دیکھتا ہون	سلہ	شکایتہاے رنگین کا گلا کیا
نگاہ بے محابا چاہتا ہون	سلہ	تغافلہاے تمکین آزما کیا
فروغ شعلۂ خس یک نفس ہے	سلہ	ہوس کو پاس ناموس وفا کیا
نفس موج محیط بیخودی ہے	سلہ	تغافلہاے ساقی کا گلا کیا
دماغ عطر پیراہن نہین ہے	سلہ	غم آوارگیہاے صبا کیا
دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر	سلہ	ہم اُسکے ہین ہمارا پوچھنا کیا
محابا کیا ہے' مین ضامن' ادھر دیکھ	سلہ	شہیدان نگہ کا خون بہا کیا
سُن اے غارتگر جنس وفا سُن	سلہ	شکست قیمت دل کی صدا کیا
کیا کس نے جگرداری کا دعوی		شکیب خاطر عاشق بھلا کیا
یہ قاتل وعدۂ صبر آزما کیون	سلہ	یہ کافر فتنۂ طاقت ربا کیا

بلاے جان ہے غالب اُسکی ہر بات
عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

سلہ نشاط کے معنی اُمنگ کے ہین۔ نشاط کار یعنی کام کرنے کی اُمنگ۔

مطلب یہ ہے کہ "دنیا مین جو کچھ چہل پہل ہے وہ صرف اس یقین کی بدولت ہے کہ یہان رہنے کا زمانہ بہت تھوڑا ہے۔ یہ انسان کی ایک طبعی خصلت معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر فرصت قلیل ہوتی ہے اسی قدر زیادہ سرگرمی سے کام کو سرانجام کرتا ہے" (یادگار غالب)

۵۲ نوازشہاے بیجا یعنی اغیار پر شکایتہاے رنگین۔ نوازشہاے بیجا کی شکایتین جو بلحاظ ثبت ادا کی جاتی ہین نہ لطرق رنج و شکوہ۔ ۱۲

۵۳ تغافل تمکین آزما۔ ایسا تغافل جس سے ارباب شوق کے صبر و استقلال کی آزمایش کی جائے بے محابا یعنی بے تامل و بے تکلف ۱۲

۵۴ ہوس ضد عشق صادق۔ ہوس کو عشق کاذب اور ناپایدار ہونے کی بنا پر شعلۂ خس سے تشبیہ دی ہے جس کی روشنی دم بھر سے زیادہ قائم نہین رہ سکتی۔ ۱۲

۵۵ ساقی عطاے شراب کے معاملے مین تغافل کرتا ہے تو ہم کو کیا شکایت ہو سکتی ہے۔ ہم تو نہین یعنی صرف اُس کی صورت دیکھ کر اس درجہ بیخود ہین کہ ہماری ہر سانس گویا محیط بیخودی کی ایک موج ہے۔

۵۶ اگر آوارگی صبا کے سبب سے پیراہن یار کے عطر کی خوشبو پریشان ہو جاتی ہے تو ہمین اس کا کیا غم یعنی غم تو اُس وقت ہوتا جب ہم کو اُس کے سونگھنے کا دماغ بھی ہوتا۔ ۱۲

۵۷ ہر قطرے کے دل سے انا البحر کا نغمہ نکل رہا ہے،، دوسرے مصرع مین اس بیان کو اپنی ذات پر منطبق کیا ہے۔ اور اپنے کو ایک قطرہ قرار دے کر کہتا ہے کہ ہم بھی انا البحر (انا الحق) کے مقام مین ہین کیونکہ ہم ایسی بحر بیکران (ہستی نامحدود الٰہی) کے ایک جزو ہین۔ ۱۲

۵۸ عشاق کو شہید نگاہ کرنے مین تجھے کیا تامل ہے اس کا مین ضامن ہون کہ تجھ سے کوئی خون بہا کا طلبگار نہ ہوگا ‘‘ادھر دیکھ’’ خوب کہا ہے۔

۵۹ شکست قیمت یعنی قیمت کا گھٹانا۔ اس سے ظاہر ہے کہ شکست قیمت کی کوئی صدا نہین ہوتی پس اے جنس وفا کے غارتگر اس کو نہ توڑ کیونکہ اسکی شکست سے سامعہ نوازی بھی تو نہین ہوتی۔ ۱۲

۶۰ ‘‘یہ قاتل وعدۂ صبر آزما کیون’’ یعنے اے قاتل یہ وعدۂ صبر آزما کیون ہے اسمین صنعت یہ ہے کہ قاتل کو وعدۂ صبر آزما کی صفت بھی قرار دے سکتے ہین۔ ۱۲

ر غور قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا		پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
ندگی میں بھی وہ آزادہ و خود بیں ہیں کہ ہم		الٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا
ب کو مقبول ہے دعوی تری یکتائی کا	سلہ	سامنے کوئی بت آئینہ سیما نہ ہوا

کم نہیں نازش ہمنامی چشم خوبان	[۲]	تیرا بیمار برا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا
سینے کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا	[۳]	خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا
نام کا ہے مرے وہ دکھ جو کسی کو نہ ملا		کام کا ہے مرے وہ فتنہ کہ برپا نہ ہوا
ہر بن مو سے دم ذکر نہ ٹپکے خونناب		حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا
قطرہ مین دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو مین کل	[۴]	کھیل لڑکون کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

تھی خبر گرم کہ غالب کے اُڑین گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

[۱] آئینے مین چونکہ شبیہ نظر آتی ہے اس لیے آئینہ سیما کی صفت بُت کے ساتھ اس موقع کے مناسب ہے مطلب یہ ہے کہ کسی نے حسن مین تجھ سے مقابلہ نہ کیا۔

[۲] چشم خوبان کی بھی صفت "بیمار" ہے۔ بس بیمار ہونے مین فخر ہمنامی کا حاصل ہونا ظاہر ہے

[۳] سینے کا داغ ہے یعنی تنگ سینہ ہے۔ خاک کا رزق ہے یعنی رائگان ہے۔ اور حقیقت مین ہوتا بھی یہی ہے کہ جو قطرہ دریا تک نہیں پہونچتا وہ جذب خاک ہوکر رائگان ہو جاتا ہے اور جو نالہ لب تک نہیں پہونچتا اُسکے ضبط کرنے سے سینے مین داغ پڑ جاتا ہے۔

[۴] دیدۂ بینا کچھ لڑکون کا کھیل نہیں ہے کہ اُسے قطرے مین دریا اور جزو مین کل نہ دکھائی دے یعنی دیدۂ بینا کو ضرور جزو مین کل دکھائی دیگا ۱۲

اسد ہم وہ جنون جولان گدائے بے سر و پا ہین	[۱]	کہ ہے سر پنجۂ مژگان آہو پشت خار اپنا

[۱] جنون جولان یعنی جولان جنون رکھنے والا۔ پنجۂ مژگان آہو کو پشت خار قرار دیکر اپنی نسبت وحشت کا اظہار کیا ہے اور بس ۱۲

بپے نذر کرم تحفہ ہے شرم نارسائی کا	[۱]	بخون غلطیدۂ صد رنگ دعوی پارسائی کا
نہ ہو حسن تماشا دوست رسوا بیوفائی کا	[۲]	بہ مہر صد نظر ثابت ہے دعوی پارسائی کا
زکوٰۃ حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا	[۳]	چراغ خانۂ درویش کاسہ ہو گدائی کا
نہ مارا جان کر بے جرم قاتل تیری گردن پر	[۴]	رہا مانند خون بے گنہ حق آشنائی کا
تمنائے زبان محو سپاس بے زبانی ہے	[۵]	مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بیدست و پائی کا

...بات ہی جو یان نفس وان نگہت گل ہے		چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگین نوائی کا
دہان ہر بت پیغارہ جو زنجیر رسوائی	۶ے	عدم تک بیوفا چرچا ہے تیری بیوفائی کا
ے	نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھدے کہ حسرت سنج ہون عرض ستمہائے جدائی کا	

ے۱ بخشش الٰہی کی نذر کے واسطے ہمارے پاس صرف شرم نارسائی کا تحفہ ہے۔ دوسرے مصرع مین تحفے کی تشریح کردی ہے یعنے ہمارے پاس اس دعوے پارسائی کا تحفہ ہے جو سو رنگ سے خون مین غلطیدہ ہے یعنی جس کا خون ہو چکا ہے ۱۲

ے۲ حسن تماشا دوست۔ وہ حسن جسے یہ پسند ہو کہ لوگ اسے دیکھین۔ رسوا بیوفائی کا۔ فارسی ترکیب "رسوائے بے وفائی" کا ترجمہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر یار کو میرے علاوہ دوسرون کو اپنا نظارگی حسن بنانا پسند ہے تو اس سے اُس پر بیوفائی اور شکست عہد پارسائی کا الزام عائد نہین ہو سکتا۔ کیونکہ اُن دیکھنے والون کی نظرین تو گویا مہرین ہین جن سے اُس کی پارسائی کا دعوے ثابت ہی۔۱۲ یہ بھی ممکن ہو کہ یہ مضمون بطریق طنز ہو۔

ے۳ "کہ" یعنی "تاکہ" یا "جس کے سبب سے"۔ استعارون کو دور کرنے سے اس بلیغ شعر کا مطلب نکلتا ہے کہ اپنے جلوۂ دیدار سے چشم مشتاق کو روشن کر۔۱۲

ے۴ یعنی حق آشنائی یہ تھا کہ تو مجھ کو مار ڈالتا۔۱۲

ے۵ زبان کی تمنا متقاضی تھی کہ بیدست و پائی کی شکایت کی جائے لیکن چونکہ مجھکو بیزبان دیکھ کر اُنکو خود بخود رحم آگیا۔ اس لیے تمنائے زبان بے زبانی کی ستایش کر رہی ہی کیونکہ بے زبانی ہی کے سبب سے شکوۂ بے دست و پائی کی ضرورت باقی نہ رہی اور ان کو عرض حال و شکایت کے بغیر ہی رحم آگیا۔

ے۶ بت خود بیوفا ہوتے ہین جب وہ بھی تجھے بیوفائی کا طعنہ دیتے ہین تو خیال کرنا چاہیے کہ تیری بیوفائی کا درجہ کس قدر بڑھا ہوا ہے۔

زنجیر رسوائی کی ترکیب نہایت دور از کار ہے۔ غالباً مطلب اس سے یہ ہوگا کہ بتان بیوفا کے حلقہائے دہن مل کر زنجیر رسوائی بن گئے ہین یا یہ کہ حدیث بیوفائی یار ایک بت سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک پہونچی ہے اور اس طور پر ایک زنجیر رسوائی کی شکل نمودار ہوگئی

ٹہ یعنی تمھارے جدائی کے بیان کرنے کی حسرت رکھتا ہون۔ اس مین اشارہ اس امر کی جانب ہے کہ اُن کی کثرت کی وجہ سے بیان سے قاصر ہون۔ ۱۲

گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیان ہو جائے گا	لہ	بے تکلف داغِ مہ مُہرِ دہان ہو جائے گا
زہرہ گر ایسا ہی شامِ ہجر مین ہوتا ہے آب	ٹہ	پرتوِ مہتاب سیلِ خانمان ہو جائے گا
لے تو لون سوتے مین اُسکے پانون کا بوسہ مگر	سہ	ایسی باتون سے وہ کافر بدگمان ہو جائے گا
دل کو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا		یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحان ہو جائے گا
سب کے دل مین ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا		مجھ پہ گویا اک زمانہ مہربان ہو جائے گا
گر نگاہِ گرم فرماتی رہی تعلیمِ ضبط	کہ	شعلہ خس مین جیسے خون رگ مین نہان ہو جائے گا
باغ مین مجھکو نہ لیجا ورنہ میرے حال پر		ہر گلِ تر ایک چشمِ خون فشان ہو جائے گا
وائے گر میرا ترا انصاف محشر مین نہو		اب تلک تو یہ توقع تھی کہ وان ہو جائے گا

فائدہ کیا، سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسد
دوستی نادان کی ہے جی کا زیان ہو جائے گا

لہ مُہرِ دہان۔ مہرِ خاموشی۔ داغِ ماہ کو باعتبارِ سیاہی و شباہت مُہر سے تعبیر کیا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر شبِ فرقت کا اندوہ مین ادا نہ کرسکون تو یہ سمجھنا چاہیے کہ چاند کا داغ میرے لیے گویا مہرِ خاموشی بن گیا تھا۔ ۱۲

ٹہ چاندنی کا زہرہ آب ہو کر سیل کی صورت پیدا ہو جائے گی مطلب یہ ہے کہ ہجرِ یار مین چاندنی موجبِ آزار و بربادی ہو جائے گی ۱۲

سہ ایک مطلب اس شعر کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر محبوب خواب مین آئے اور مین اس کے پانون کا بوسہ لے لون تو وہ بدگمان ہو کر خواب مین بھی آنا چھوڑ دے گا ۱۲۔

کہ نگاہِ گرم یعنی نظرِ عتاب جس کے خوف سے خون رگ مین اس طرح نہان ہو جائیگا جیسے شعلہ خس مین ہوتا ہے۔ ۱۲

درد منت کشِ دوا نہ ہوا	لہ	مین نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
جمع کرتے ہو کیون رقیبون کو		اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں		تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا
کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب		گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا
ہے خبر گرم اُن کے آنے کی		آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی	۲ه	بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی		حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
زخم گر دب گیا لہو نہ تھما	۳ه	کام گر رُک گیا روا نہ ہوا
رہزنی ہے کہ دل ستانی ہے		لے کے دل دلستاں روانہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

۱ه میں نہ اچھا ہوا تو کچھ برا نہ ہوا کیونکہ اگر اچھا ہو جاتا تو مجھے دوا کا احسان مند ہونا پڑتا اور کسی کا احسان لینا مجھے منظور نہیں

۲ه بندگی یعنی عبودیت۔ بندگی پر نمرود کی خدائی کا اطلاق کرنا بالکل نئی بات ہے۔ کہتا ہے کہ میری بندگی گیا نمرود کی خدائی تھی کہ اس سے مجھکو سوا نقصان کے کچھ فائدہ نہ پہونچا (یادگار غالب)

۳ه کام جب رُک جاتا ہے تو روا نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے زخم کے دب جانے پر چاہیے تھا کہ لہو بھی رواں نہ ہوتا لیکن یہاں ایسا نہیں اور زخم کے دب جانے پر بھی لہو جاری ہے۔

گلا ہے شوق کو دل میں بھی تنگیٔ جا کا	۱ه	گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا
یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخ مکتوب	۲ه	مگر ستم زدہ ہوں ذوق خامہ فرسا کا
حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی	۳ه	دوام کلفت خاطر ہے عیش دنیا کا
غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو	۴ه	مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا
ہنوز محرمیٔ حسن کو ترستا ہوں	۵ه	کرے ہے ہر بُنِ مو کام چشم بینا کا
دل اس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے	۶ه	ہمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا
نہ کہہ کہ گریہ بمقدار حسرت دل ہے	۷ه	مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا

۸ه
فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اُس کو یاد اسد
جفا میں اُس کی ہے انداز کار فرما کا

ف۱ دل میں بھی یعنی اگرچہ وسعت دل مشہور ہے مگر کو دل سے اور شوق کو اضطراب دریا سے مشابہ کیا ہے۔ ۱۲ مطلب یہ ہو کہ دل میں اضطراب شوق کو فراخور حوصلہ جگہ نہ ملنے سے اُس کا جوش باقی نہیں رہا۔ گویا دریا گہر میں سما گیا۔

ف۲ پاسخ مکتوب یعنی جواب خط۔ مطلب یہ ہے کہ شوق خامہ فرسائی سے مجبور ہوں ورنہ یہ تو معلوم ہے کہ جواب خط نہ دے گا۔ ۱۲

ف۳ بہار کو بوجہ رنگینی "حنائے پائے خزاں" کہا۔ کہتا ہے کہ دنیا کا عیش آخر کار ہمیشہ کلفت خاطر کا باعث ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً بہار ہی کو لے لیجیے کہ وہ گویا پائے خزاں کی حنا ہوتی ہے جس کی رنگینی چند روز میں زائل ہو جاتی ہے اور پھر خزاں ہی کا دور دورہ رہتا ہے ۱۲

ف۴ خندۂ گل کو خندۂ بیجا اس لیے کہا کہ وہ کچھ سمجھ کر یا از راہ تعجب نہیں ہنستا ہے پس گویا اس کا خندہ بیمحل ہے۔ (یادگار غالب)

ف۵ مصرع ثانی کے شروع میں "باوجودیکہ" یا "اگرچہ" بڑھا کر پڑھنے سے مطلب صاف ہو جاتا ہے ۱۲

ف۶ "تقاضا کا" اب بالکل متروک ہے "تقاضے کا" چاہیے غالباً قافیے کی ضرورت نے مرزا کو مجبور کیا ہوگا۔ ۱۲

ف۷ مطلب یہ ہو کہ اگرچہ شدت گریہ کی وجہ سے میری آنکھوں سے دریا رواں ہیں پھر بھی وہ میری حسرت دل کے حوصلے کے موافق نہیں ہے۔ ۱۲ یعنی میری حسرت دل بہت بڑھی ہوئی ہے کثرت اشک سے اسکا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

ف۸ یعنی فلک کو دیکھ کر وہ یاد آتا ہے کیونکہ جو کچھ ستم فلک کرتا ہے اُسی کے حکم سے کرتا ہے۔

قطرۂ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا	ف۱	خط جام مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا
اعتبار عشق کی خانہ خرابی دیکھنا		غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

ف۱ جب ساغر مے لب یار سے ملا تو قطرہ ہائے مے بفرط حیرت منجمد ہو کر گویا گوہر بن گئے اور خط جام رشتۂ گوہر کے مانند ہو گیا۔ ۱۲

جب بتقریب سفر یار نے محمل باندھا		تپش شوق نے ہر ذرے پہ اک دل باندھا
اہل بینش نے بحیرت کدۂ شوخی ناز	ف۱	جوہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا

یاس و امید نے یک عربدہ میدان مانگا (لہ) عجز ہمت نے طلسم دل سائل باندھا

نہ بندھے تشنگیٔ شوق کے مضمون غالبؔ
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

لہ عکس رخ یار کی وجہ سے آئینہ گویا ایک حیرت کدہ بن گیا ہے اور یار کی شوخیٔ ناز کے اثر سے جوہر آئینہ اس حیرت کدۂ آئینہ میں طوطیٔ بسمل کے مانند پھڑک رہا ہے۔ جوہر آئینہ کو اس کی بیتابی ظاہر کے اعتبار سے طوطیٔ بسمل سے مشابہ کیا ہے اس میں ایک نازک اشارہ اس امر کی جانب بھی ہے کہ ناز یار کی شوخی ارباب شوق کی حیرت کو اضطراب سے بدل دیا کرتی ہے۔

لہ دل سائل کو ایک طلسم اور جنگ گاہ یاس و امید قرار دیا ہے۔ اس طلسم کی بانی پست ہمتی ہے کیونکہ یہی اکثر محرک سوال ہوا کرتی ہے اور اس میدان عربدہ میں امید قبول اور یاس و سوال کے درمیان باہم جنگ ہوا کرتی ہے۔

میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں (لہ) اگر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا
ہے ایک تیر جس میں دونوں چھدے پڑے ہیں وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا

درماندگی میں غالبؔ کچھ بن پڑے تو جانوں
جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

لہ یعنی اس نے زبردستی کیوں نہ پلا دی (یادگار غالب)

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویران ہوتا (لہ) بحر اگر بحر نہ ہوتا تو بیابان ہوتا
تنگیٔ دل کا گلا کیا یہ وہ کافر دل ہے کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشان ہوتا
بعد یک عمر ورع بار تو دیتا بارے کاش رضوان ہی در یار کا درباں ہوتا

لہ ہمارا گھر جو کثرت گریہ سے دریا ہو رہا ہے۔ اگر نہ روتے تو بیابان ہوتا یعنی ویرانی بہرحال باقی رہتی۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا (لہ) ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
ہوا جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا

ہوئی مدت کہ غالبؔ مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

ل جب دنیا مین کچھ نہ تھا تو خدا ہی تھا اور اگر موجودات عالم کا ظہور نہ ہوتا تب بھی خدا ہی خدا ہوتا۔ پس غالب کہتا ہے کہ میری ہستی ظاہر نے مجھ کو ایک شے دیگر قرار دیکر برباد کر دیا کیونکہ اگر مین پیدا نہ ہوتا تو خیال کرنا چاہیے کہ کیا ظاہر ہوتا ہے کہ خدا ہوتا (یعنی ذات الٰہی کا ایک جزو رہتا) کیونکہ یہ پہلے ہی طے ہو چکا ہے کہ اگر کچھ نہ ہوتا تو خدا ہی خدا ہوتا۔

یک ذرۂ زمین نہین بیکار باغ کا	۱	یان جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا
بے مے کسے ہے طاقت آشوب آگہی	۲	کھینچا ہے عجز حوصلہ نے خط ایاغ کا
بلبل کے کاروبار پہ ہین خندہ ہاے گل		کہتے ہین جس کو عشق خلل ہے دماغ کا
تازہ نہین ہے نشۂ فکر سخن مجھے	۳	تریاکئ قدیم ہون دود چراغ کا
سو بار بند عشق سے آزاد ہم ہوے		پر کیا کرین کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا
بے خون دل ہے چشم مین موج نگہ غبار	۴	یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا
باغ شگفتہ تیرا بساط نشاط دل	۵	ابر بہار خمکدہ کس کے دماغ کا

۱ موسم بہار کا ذکر کرتا ہے کہ آج کل باغ کا ایک ذرۂ زمین بھی بیکار نہین ہے مثلاً باغ کی روشین برآمد و رفت مردم کی وجہ سے کچھ نہین اُگتا لیکن اُس زمانے مین جوش گل کی یہ کیفیت ہے کہ روشین بھی گلہاے سرخ کی کثرت کی وجہ سے گویا لالے کے داغ کا فتیلہ بنی ہوئی ہین۔ واللہ اعلم
فتیلہ یا فلیتہ یعنی بتی جو بہت جلد آگ قبول کرے (غیاث) یہان جادۂ ہمت کو فتیلہ کہا گویا اس سے لالے کے داغ روشن ہوتے ہین۔

۲ آشوب بمعنی شور و غوغا۔ آگاہی کو آشوب قرار دیا جس کی برداشت کے لیے مے گساری لازم ٹھہری اور ظاہر ہے کہ اس غرض کے لیے ایک ساغر سے کیا کام چل سکتا ہے خصوصاً ایسی حالت مین کہ ساغر بھی لبریز نہو بلکہ صرف حد مقررہ (خط ساغر) تک شراب سے پُر ہو۔ ۱۲
آگاہی کے لیے ہجوم افکار و خیالات لازمی ہے اُسی بنا پر اُسے آشوب کہا۔ ۱۲

۳ دود چراغ کو تریاک اور اُس تریاک کے نشے کو نشۂ فکر قرار دیا۔ ۱۲
مطلب یہ ہے کہ مین نے مدتون چراغ کے سامنے بیٹھکر رات بھر فکر سخن کی ہے۔ ۱۲

سٓ۴ آنکھ کو میکدے سے اور خون دل کو شراب سے مشابہ کیا ہے جسطرح سے کہ میکدہ بغیر شراب کے ویران ہوتا ہے اسی طرح میری آنکھون مین خون فشانی کے بغیر گویا خاک اُڑ رہی ہے۔
موج نگاہ کی تشبیہ غبار سے بہت مناسب ہے۔ اور میکدے کے لیے خراب کا لفظ بھی کیفیت سے خالی نہین۔۱۲

سٓ۵ ابر بہار میری مستی کا باعث نہین ہوسکتا مطلب یہ ہے کہ میرے سرور دل کا موجب تیرے حُسن کا شگفتہ باغ ہے۔ اُس کے سوا اور کوئی شے میری مستی کا باعث نہین ہوسکتی۔

وہ مری چین جبین سے غم پنہان سمجھا	سٓ۱	راز مکتوب بہ بے ربطی عنوان سمجھا
یک الف بیش نہین صیقل آئینہ ہنوز	سٓ۲	چاک کرتا ہون مین جب سے کہ گریبان سمجھا
شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ		اس قدر تنگ ہوا دل کہ مین زندان سمجھا
بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرم خرام	سٓ۳	رُخ پہ ہر قطرہ عرق دیدۂ حیران سمجھا
عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا		نبض خس سے تپش شعلۂ سوزان سمجھا
سفر عشق مین کی ضعف نے راحت طلبی	سٓ۵	ہر قدم سائے کو مین اپنے شبستان سمجھا
تھا گریزان مژۂ یار سے دل تا دم مرگ	سٓ۶	دفع پیکان قضا اس قدر آسان سمجھا

دل دیا جان کے کیون اس کو وفادار اسد
غلطی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا

سٓ۱ جسطرح عنوان کی بے ربطی سے مضمون خط کی آشفتگی کا حال کھل جاتا ہے اُسی طرح سے میری چین جبین سے میرے غم پنہان کا حال یار پر ظاہر ہوگیا۔۱۲ چین جبین کی تشبیہ عنوان سے بہت مناسب ہے۔

سٓ۲ یعنی جب سے مین نے گریبان کی حقیقت سمجھی ہے اُسے چاک کر رہا ہون لیکن ہنوز صیقل آئینہ ایک الف سے زیادہ نہین ہے۔ استعارون کو حذف کرنے کے بعد یہ مطلب معلوم ہوتا ہے۔ باوجود ترک تعلقات صفائی باطن خاطر خواہ حاصل نہین ہوئی۔ واللہ اعلم

سٓ۳ بدگمانی شوق نے یار کا مصروف خرام ہونا نہ چاہا کیونکہ خرام سے قطرہ ہاے عرق جبین یار پر ظاہر ہوجاتے جو دیدہ ہاے حیران سے مشابہت رکھتے ہین۔ رشک دل ان کا وجود بھی گوارا نہ ہوا۔

۷؎ اپنی عاجزی کو خس سے اور اس کی بدخوئی کو شعلۂ سوزان سے تشابہ کیا ہی ۱۲

۸؎ جب سفر کے تکان کا غلبہ ہوتا ہی تو مسافر دم لینے کے لیے سایہ تلاش کرتا ہی. یہان جب سفر عشق مین ضعف راحت طلب ہوا تو شاعر کہتا ہی کہ مین سایہ کو آرام گاہ سمجھا-۱۲

اِس بیان سے اپنی کمال مجبوری کو ظاہر کرتا ہے. یعنی عشق کا سخت سفر اس مین ضعف کا غلبہ اور آرام کے لیے سایے کی تلاش - وہان سایے کا ناپید ہونا اور مجبوراً خود اپنے سایے کو شبستان سمجھنا استعارون کو دور کرنے سے اس شعر کے مضمون سے یہ اشارہ پیدا ہوتا ہی کہ غایت محرومی کی حالت مین انسان یاس و ناامیدی کو اپنا ہمدم بنا کر انھین سے تسکین طلب ہوتا ہی-

۹؎ گویا مژگان یار کو پیکان قضا قرار دیا جس سے گریز کرنا بے سود تھا-۱۲

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا	۱؎	دل جگر تشنۂ فریاد آیا
دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز	۲؎	پھر ترا وقت سفر یاد آیا
سادگی ہاے تمنا یعنی	۳؎	پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا
عُذر واماندگی اے حسرت دل	۴؎	نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا
زندگی یون بھی گذر ہی جاتی	۵؎	کیون ترا راہ گذر یاد آیا
کیا ہی رضوان سے لڑائی ہوگی	۶؎	گھر ترا خلد مین گر یاد آیا
آہ وہ جرأت فریاد کہان	۷؎	دل سے تنگ آکے جگر یاد آیا
پھر ترے کوچے کو جاتا ہی خیال		دل گم گشتہ مگر یاد آیا
کوئی ویرانی سی ویرانی ہے	۸؎	دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

۹؎ مین نے مجنون کو لڑکپن مین اسد
سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

۱؎ جگر تشنہ یعنی تشنہ جگر یعنے آرزومند. مطلب یہ ہی کہ دیدۂ تر کی یاد نے پھر دل کو فریاد کا آرزومند بنا دیا ۱۲

۲؎ پھر ترا وقت سفر یاد آیا یعنی پھر قیامت برپا ہوئی-۱۲

دوست کو رخصت کرتے وقت جو دردناک کیفیت گذری تھی اور جو اُس کے چلے جانے کے بعد رہ رہ کر یاد آتی رہتی تھی ان مین جو کبھی کچھ وقفہ ہو جاتا ہی اُس کو قیامت کے دم لینے سے تعبیر کیا ہی- (یادگار غالب)

سه۳ اپنی تمنا کی سادگی کا ذکر کرتا ہو کہ تمنا کو نظر یار کی نیرنگیون کا علم تھا لیکن پھر بھی وہ اسی نیرنگی نظر کو یاد کرتی ہو ۱۲

سه۴ حسرت دل کا تقاضا تھا کہ نالہ کیا جائے لیکن غالب درماندگی کا عذر پیش کر کے کہتا ہو کہ مین آمادہ فریاد تھا لیکن اپنی کمزوری جگر کو یاد کر کے رہ گیا کیونکہ اس مین طاقت نالہ باقی نہین ۔۱۲

سه۵ جب کامگاری ممکن ہی نہین ہو تو تیرا رہگذر بیکار یاد آتا ہو یعنی جب دن بھی زندگی بحالت ناکامی بسر ہو گی تو اُس کا یاد آنا عبث ہے یون بھی زندگی کسی نہ کسی طور پر گذر ہی جاتی ۱۲

سه۶ یعنی اس بحث مین کہ مکان یار اور خلد مین سے کون بہتر ہو ۔۱۲

سه۷ دل مین جرات فریاد نہ رہی تھی اس بنا پر اس سے تنگ آ کر جگر یاد آیا کہ اُس مین فریاد کی طاقت دل سے زیادہ تھی لیکن افسوس کہ اب جگر مین بھی یارائے فریاد نہین ۔۱۲

سه۸ یعنی دشت ویرانی مین گھر سے مشابہ ہو ۔۱۲

سه۹ سر یاد آیا یعنی اپنا سر کہ کبھی ہم بھی بربنائے شوریدہ سری اسی طرح نشانۂ سنگ طفلان ہونگے یا یہ کہ مجنون کے بجائے اپنے ہی سر مین پتھر مار لیا ۔۱۲

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عنان گیر بھی تھا

تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس مین کچھ شائبۂ خوبی تقدیر بھی تھا

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتا بتلا دون
کبھی فتراک مین تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

قید مین ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد
ہان کچھ اک رنج گرانباری زنجیر بھی تھا

بجلی اک کوندھ گئی آنکھون کے آگے تو کیا
سه۱ بات کرتے کہ مین لب تشنۂ تقریر بھی تھا

یوسف اس کو کہون اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی
گر بگڑ بیٹھے تو مین لایق تعزیر بھی تھا

دیکھ کر غیر کو ہو کیون نہ کلیجہ ٹھنڈا
سه۲ نالہ کرتا تھا ولے طالب تاثیر بھی تھا

پیشے مین عیب نہین رکھیے نہ فرہاد کو نام
ہم ہی آشفتہ سرون مین وہ جوان میر بھی تھا

ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
سه۳ آخر اس شوخ کے ترکش مین کوئی تیر بھی تھا

پکڑے جاتے ہین فرشتون کے لکھے پر ناحق
سه۴ آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

ریختے کے تمہین استاد نہین ہو غالب
کہتے ہین اگلے زمانے مین کوئی میر بھی تھا

۱ یعنی اُن کو لازم تھا کہ تقریر بھی کرتے کیونکہ مین مشتاق تقریر تھا۔ یہ کیا کہ وہ دفعۃً آئے اور چلے گئے۔ گویا ایک بجلی سی کوند گئی ۱۲

۲ دیکھ کر غیر کو ہو کیون نہ کلیجہ ٹھنڈا" کیونکہ اس کی فریاد بھی بے اثر ہے۔ ۱۲

۳ یعنی اک تیر ہی لگا دیا ہوتا۔ اس مین تو پاس آنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ ۱۲

۴ فرشتون کے لکھے پر یعنی کراماً کاتبین کی تحریر پر۔ ۱۲

لب خشک در تشنگی مردگان کا	۱	زیارت کدہ ہون دل آزردگان کا	
ہمہ ناامیدی ہمہ بدگمانی	۲	مین دل ہون فریب وفا خوردگان کا	

۱ مین گویا لب خشک ہون ان لوگون کا جو تشنگی مین مر گئے اور مین گویا زیارت کدہ ہون آزردہ دل لوگون کا اس بیان سے اظہار محرومی منظور ہے ۱۲

۲ جو لوگ دنیا کا فریب کھائے ہوے ہوتے ہین ان کا دل ہمہ ناامیدی و ہمہ بدگمانی ہوتا ہے یعنی سراسر یاس و ناامیدی ہوتا ہے غالب کہتا ہے کہ مین گویا وہی دل ہون۔ ۱۲

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا	۱	اورون پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا
چھوڑا مہ نخشب کی طرح دست قضا نے	۲	خورشید ہنوز اُس کے برابر نہ ہوا تھا
توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے	۳	آنکھون مین ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا
جب تک کہ نہ دیکھا تھا قد یار کا عالم		مین معتقد فتنۂ محشر نہ ہوا تھا
مین سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہون	۴	یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا
دریاے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک	۵	میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

۶ جاری تھی اسد داغ جگر سے مری تحصیل
آتش کدہ جاگیر سمندر نہ ہوا تھا

۱ ظاہر مطلب یہ ہے کہ تو کسی کا دوست نہین ہوا اور تیرا جور کبھی مجھ پر نہین ہوا بلکہ اورون پر بھی ہے اور مجھ سے زیادہ ہے لیکن حقیقت مین غالب ایک نہایت نازک مطلب کو ادا کر رہا ہے کہتا ہے کہ جو ظلم مجھ پر نہین ہوا وہ تو اورون پر کر رہا ہے مجھے چونکہ شرکت اغیار کسی صورت سے گوارا نہین ہے اس لیے تیرا ظلم کرنا بھی گویا مجھ پر ایک ظلم عظیم ہے۔ پس معلوم ہوگیا کہ میرے متعلق تیرا ترک جور بر بنائے دوستی نہین ہے ۱۲

سلہ ماہ نخشب یعنی وہ چاند جسے حکیم ابن عطا مشہور یا بن مقنع نے سیماب وغیرہ اشیا سے بمقام نخشب تیار کیا تھا۔ یہ چاند دو ماہ تک برابر ایک چاہ سے نکلا کرتا تھا لیکن روشنی اس کی چار فرسنگ سے زیادہ نہ جا سکتی تھی اور اصلی چاند کے مقابلے مین بالکل ناقص تھا۔۱۲
شاعر اس شعر مین خورشید کو روے یار کے مقابلے مین ناقص قرار دیکر ماہ نخشب سے تشبیہ دیتا ہے ۱۲

سلہ دعویٰ یہ ہو کہ جسقدر ہمت عالی ہوتی ہے اُسی کے موافق اُسکی تائید غیب سے ہوتی ہو اور ثبوت یہ ہے کہ قطرۂ اشک جسکو آنکھون مین جگہ ملی ہو، اگر اس کی ہمت، جبکہ وہ دریا مین تھا موتی بننے پر قانع ہو جاتی ہے تو اُس کو جیسا کہ ظاہر ہے، یہ درجہ آنکھون مین جگہ ملنے کا حاصل نہوتا (یادگار غالب)

سلہ میری سادہ دلی دیکھیے کہ مین آزردگی یار سے خوش ہون۔ کیونکہ مجھے امید ہے کہ صلح شوق کے بعد سبق عشق کی تکرار مین بڑا لطف آئے گا۔ یعنی پھر سے محبت شروع ہوگی اور گویا آغاز محبت سے لیکر انتہاے محبت تک کی ساری کیفیتین ایک بار پھر پیدا ہون گی۔۱۲

سلہ کہتا ہو کہ گناہ کرنے مین ہمارا حوصلہ اس قدر فراخ ہے کہ باوجودیکہ دریاے معاصی خشک ہو گیا مگر ابھی ہمارے دامن کا پلہ تک نہین بھیگا۔ (یادگار غالب از مولانا حالی)

سلہ سمندر چوہے کی قسم کا ایک جانور جس کی نسبت مشہور ہو کہ آتشکدون مین پیدا ہوتا ہو اور آگ ہی مین رہتا ہے۔ آتشکدون مین جب ایک مدت دراز تک برابر آگ جلا کرتی ہے تب اس مین سمندر پیدا ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے غالب کہتا ہے کہ مین اُس وقت سے داغ جگر سے تحصیل آتش مزاجی کر رہا ہون کہ سمندر کا وجود بھی نہ تھا۔۱۲۔ اپنا سمندر سے اور داغ جگر کا آتشکدے سے مقابلہ کیا ہے۔

شب کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا	سلہ	رشتۂ ہر شمع خار کسوت فانوس تھا
مشہد عاشق سے ... اگتی ہے جو کوسون تک حنا	سلہ	کس قدر یا رب ہلاک حسرت پابوس تھا
حاصل الفت ... دیکھا جز شکست آرزو	سلہ	دل بدل پیوستہ گویا یک لب افسوس تھا
کیا کہون ... غم کی فراغت کا بیان	سلہ	جو کہ کھایا خون دل بے منت کیموس تھا

سلہ ناموس ... عفت و عصمت۔ رشتۂ شمع وہ تاگا جو موم بتی مین ہوتا ہے کسوت بمعنی لباس خار در پیراہن ... بودن محاورہ فارسی ہے جسکے معنی بے چین ہونے کے ہین اسی کو غالب نے اردو مین لیا ہے۔ ... کہ شب کو کہ عصمت و عفت کی محفل خلوت مین محبوب بزم افروز تھا اس وقت شمع

کی یہ حالت تھی کہ اس کا ہر رشتہ اُس کے حق مین خار پیراہن ہوگیا تھا مطلب یہ ہے کہ محبوب کی خلوت ناموس مین دجہان کسی کا گذر نہین) شمع کی بھی بیقراری سے کچھ عجب حالت ہوگئی تھی ۱۲۔

سلہ یہ جو مشہد عاشق سے کوسون تک حنا اُگتی ہو اس سے اندازہ ہوسکتا ہو کہ اُسے پابوسی کی حسرت کس قدر تھی یعنی زندگی مین پابوسی یار حاصل نہ ہوسکی تو اب شاید اس طرح یہ ہوجائے کہ اُسکے مشہد پر جو حنا اُگتی ہے وہ کسی دن پائے یار تک پہونچے بقول ؎

	بوسم من بے برگ و نوا برگ حنا را تا بوسہ بہ پیغام دہم آن کف پا را	

سلہ ہم نے محبت کا نتیجہ سوا اس کے اور کچھ نہ دیکھا کہ آخر کار آرزؤن کا خون ہوگیا گویا کہ عاشق اور معشوق دونون کے دل مل کر لب افسوس بنجاتے ہین جس سے اظہار افسوس کے سوا اور کچھ ممکن نہین ہوتا۔

سکہ غذا ہضم ہونے اور خون بننے سے پہلے طبخ اول مین کیلوس کی شکل اختیار کرکے آش کے مانند اور اُس کے بعد طبخ دوم مین کیموس کی صورت پاکر پانی کے مانند ہوجاتی ہے اور خون کی شکل اختیار کرتی ہے۔

غالب بیماری غم عشق کی فراغت کا ذکر کرتا ہے کہ خون دل کے کھانے مین کیلوس و کیموس وغیرہ کے جھگڑے پیش نہین آئے اور ابتدا ہی سے خون جگر کھایا کیے۔

آئینہ دیکھ اپنا سا مُنھ لے کے رہ گئے قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے	سلہ	صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا اس کی خطا نہین تھی یہ میرا قصور تھا

سلہ "قاصد کو گردن نہ ماریے" یعنی "قاصد را گردن مزن" ۱۲

عرض نیاز عشق کے قابل نہین رہا	سلہ	جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہین رہا
جاتا ہون داغ حسرت ہستی لیئے ہوے		ہون شمع کشتہ درخور محفل نہین رہا
مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ مین		شایان دست و بازوے قاتل نہین رہا
بر روے شش جہت در آئینہ باز ہے	سکہ	یان امتیاز ناقص و کامل نہین رہا
وا کر دیے ہین شوق نے بند نقاب حسن	ستہ	غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہین رہا
گو مین رہا رہین ستمہاے روزگار	سکہ	لیکن ترے خیال سے غافل نہین رہا

دل سے ہوائے کشت وفا مٹ گئی کہ واں	شہ	حاصل سوائے حسرت حاصل نہیں رہا

بیداد عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

سلہ نیاز یعنی نیازمندی جس دل پہ ناز تھا مجھے۔ یعنی جو نازبرداری یار کا متحمل تھا ۱۲
سلہ برنگ شش جہت یعنی ہر شخص کے لیئے۔ یاں یعنی خانہ آئینہ مین۔
سلہ یعنی اب بھی اگر دیدار حسن نصیب نہو تو یہ اپنی نگاہ قاصر کا قصور ہی ۱۲ یا یہ کہ اور سب حجاب اُٹھ چکے ہین صرف حجاب نگاہ باقی ہی یہ بھی اُٹھ جاے تو پھر شاہد و مشہود مین کوئی فرق باقی نہ رہی۔
سلہ یعنی باوجود مکروہات زمانہ کے ہجوم کے تیری یاد دل سے نہ گئی ۱۲
شہ واں یعنی کشت وفا مین۔ ہوا یعنی آرزو۔ مطلب یہ ہے کہ اب آرزوے وفا ہی مٹ گئی کیونکہ وفا سے بھی بجز حسرت اور کچھ حاصل نہ ہوا ۱۲

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف	سلہ	عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا
ذرہ ذرہ ساغر مے خانۂ نیرنگ ہے	سلہ	گردش مجنون بچشمک ہاے لیلا آشنا
شوق ہے ساماں طراز نازش ارباب عجز	سلہ	ذرہ صحرا دستگاہ قطرہ دریا آشنا
شکوہ سنج رشک ہمدگیر نہ رہنا چاہیئے		میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا
ہین اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دل وحشی کہ ہے	سلہ	عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

کوہکن نقاش یک تمثال شیرین تھا اسد
سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

سلہ اغیار کے ساتھ محبوب کا ربط و ضبط دیکھ کر عاشق رشک اور افسوس کرتا ہی۔ لیکن پھر عقل کہتی ہی کہ تیرے ساتھ بھی اُسکا اخلاص واقعی نہیں ہی کیونکہ وہ بے مہر بھلا کس کا آشنا ہوتا ہی۔
سلہ جسطرح گردش مجنون چشم لیلا کے اشارے کی پابند تھی اسی طرح دنیا مین ذرہ ذرہ نیرنگ عالم کا تابع ہی مصرعہ ثانی مثال تشریح ہے
سلہ عشق کی بابت کہتا ہی کہ ارباب عجز کی نازش کا سامان اسی شوق کے ذریعہ سے مہیا ہوتا ہی کیونکہ اسی کی بدولت قطرہ دریا اور ذرہ صحرا ہو جاتا ہے سہ

عشق سے گھیرے پڑے کیا کیا دلوں کے مرتبے		مہر ذرون کو کیا قطروں کو دریا کر دیا۔

سہ یعنی اب میرا اور اس دل کا ساتھ ہے جو دشمن عافیت ہے اور آشناے وحشت۔ پہلے مصرعے مین "و" اور "عطف" ملازمت ہے۔ ۱۲

شہ کوہکن نے اس قدر عرق ریزی کی پھر بھی تمثال سنگ شیرین کو پیدا نہ کرسکا نہ کہ خود شیرین کو اس مین اشارہ اس امر کی جانب ہے کہ فرہاد کا عشق کامل نہ تھا ورنہ خود شیرین کا پیدا ہو جانا کچھ بعید نہ تھا۔ ۱۲

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیان اپنا ‏ ‏ بن گیا رقیب آخر تھا جو رازدان اپنا

مے وہ کیون بہت پیتے بزم غیر مین یا رب ‏ لہ ‏ آج ہی ہوا منظور اُن کو امتحان اپنا

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے ‏ ‏ عرش سے اُدھر ہوتا کاشکے مکان اپنا

دے وہ جسقدر ذلت ہم ہنسی مین ٹالین گے ‏ عہ ‏ بارے آشنا نکلا ان کا پاسبان اپنا

درد دل لکھون کبتک جاؤن انکو دکھلاؤن ‏ ‏ انگلیان فگار اپنی خامہ خونچکان اپنا

گھستے گھستے مٹ جاتا آپ نے عبث بدلا ‏ ‏ ننگ سجدے سے میرے سنگ آستان اپنا

تا کرے نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو ‏ سہ ‏ دوست کی شکایت مین ہم نے ہمزبان اپنا

ہم کہان کے دانا تھے کس ہنر مین یکتا تھے
بے سبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا

لہ بزم غیر مین کثرت شراب نوشی سے محبوب کو اپنی مے کشی اور خودداری کا امتحان منظور ہے غالب لطیف شکوہ کرتا ہے کہ یہ بھی خوبی قسمت دیکھیے کہ آج ہی ان کو اپنا امتحان منظور ہوا جب کہ وہ بزم غیر مین ہین۔ کاش کہ ایسا امتحان میرے ساتھ کرتے اور میرے ساتھ شراب پی کر بیہوش ہوتے۔

عہ یعنی خوب ہی ہوا معشوق کے در کا پاسبان ہمارا جان پہچان نکلا اب ہمارے لیے اس بات کا موقع حاصل ہے کہ وہ جسقدر چاہے ذلت ہم کو دے ہم اس کو ہنسی مین ٹالتے رہین گے اور یہ ظاہر کرتے رہین گے کہ ہمارا قدیم آشنا ہے ہمارا اسکا قدیم سے یہی برتاؤ ہے ۱۲ (یادگار غالب)

سہ رقیب کو شکایت کی ضرورت نہین ہے لیکن جب ہم اُس کے سامنے جفاے یار کی شکایت کرنے مین تو اس قسم کی باتین کرتے ہین جس سے ثابت ہو کہ ہماری رائے مین اُسے بھی [illegible] شکایت

حاصل ہو اور اِس طرح پر ستم یار کے معاملے میں اُس سے بھی اپنا ہمزبان بنا لیتے ہیں کیونکہ اگر ایسا نہ کریں تو وہ یعنی رقیب ہمارے اِس شکوہ شکایت کی خبر یار تک پہونچا دے

سرمۂ مفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے		کہ رہے چشم خریدار پہ احسان میرا
رخصت نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم	۱؎	تیرے چہرے سے عیاں ہو غم پنہاں میرا

۱؎ یعنی کہیں ایسا نہو کہ ضبط غم کی وجہ سے مرجاؤں اور تجھے رنج ہو اور اِس طرح پر تیرے چہرے سے میرا غم پنہاں ظاہر ہو۔ یا یہ معنی ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا ضبط غم کرے اور اس کے اثر سے تیرے دل پر بھی چوٹ لگے جس کا اثر تیرے چہرے سے نمایاں ہو۔ ۱۲

غافل بوہم ناز خود آرا ہے ورنہ یاں	۱؎	بے شانۂ صبا نہیں طرۂ گیاہ کا
بزم قدح سے عیش تمنا نہ رکھ کہ رنگ	۲؎	صید ز دام جستہ ہے اِس دام گاہ کا
رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے	۳؎	شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا
مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے	۴؎	پُرگل خیال زخم سے دامن نگاہ کا
۵؎	جان درہوائے یک نگہ گرم ہے اسد پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا	

۱؎ غافل اپنی کاردانی پر ناز کرتا ہے حالانکہ جیسے تیا میں ایک طرۂ گیاہ بھی ایسا نہیں ہے جس کو صبا شانہ کرکے آراستہ نہ کرتی ہو۔ تو ایسی حالت میں انسان کے لیئے اپنی کامیابی پر ناز کرنا غفلت و رحمت کی دلیل ہے۔ چاہیے کہ تمام کامرانیاں لطف الٰہی کی جانب منسوب کی جائیں۔

۲؎ تمنا نہ رکھ فارسی ترکیب کا ترجمہ ہے یعنی تمنا نہ کر۔ صید ز دام جستہ وہ شکار جو دام سے نکل گیا ہو کہتا ہے بزم مے نوشی کی عیش کی امید نہ رکھ کیونکہ اس بزم کا رنگ ایک ایسا شکار ہے جو قبضے میں نہیں رہ سکتا یعنی محفل عشرت کے رنگ کو ثبات نہیں ہے اس لیے اس سے عیش کی امید بیکار ہے۔ ۱۲

۳؎ کہتا ہے کہ ہم شرمندگی گناہ کی وجہ سے عذر گناہ نہیں کرتے۔ کیا عجب ہے کہ رحمت الٰہی شرمندگی کے سبب ہمارے اِس عذر گناہ نہ کرنے ہی کو قبول کرلے۔ ۱۲

۴؎ اپنے شوق شہادت کا اظہار کرتا ہے کہ زخموں کی بہار میری نظروں میں ہے جس سے گویا نگاہ کا دامن پُر از گل ہو گیا ہے ۱۲ زخم کو پھول سے تشبیہ دیا ہے۔

ش٥ ہوا یعنی شوق تیرے داد خواہ کا یعنے اسد کا۔ پروانے کو وکیل بنایا کیونکہ وہ شمع کا عاشق بھی جل کر اپنی جان دے دیتا ہے اور گویا "جان در ہوائے یک نگہ گرم" کا مصداق ہوتا ہے ۱۲

جور سے باز آئے پر باز آئین کیا	ك١	کہتے ہین ہم تجھ کو منھ دکھلائین کیا
رات دن گردش مین ہین سات آسمان		ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائین کیا
لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھین لگاؤ		جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائین کیا
ہو لیے کیون نامہ بر کے ساتھ ساتھ		یا رب اپنے خط کو ہم پہنچائین کیا
موج غم سر سے گزر ہی کیون نہ جائے		آستانِ یار سے اُٹھ جائین کیا
عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ	ك٢	مر گئے پر دیکھیے دکھلائین کیا

پوچھتے ہین وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائین کیا

ك١ وہ اپنی جفا سے اب اس قدر شرمندہ ہین کہ مجھ سے کہتے ہین کہ اب ہم تجھے کیا منھ دکھلائین" پس غالب کہتا ہے کہ وہ جور و ستم سے باز آنے پر بھی باز نہ آئے کیونکہ شرم ستم کی بنا پر اُن کا منھ نہ دکھلانا یہ بھی مجھ پر ظلم ہے۔ ۱۲

ك٢ اُنھون نے عمر بھر تو مجھکو مرنے کی راہ دکھلائی اب میرے مرجانے پر دیکھیے کیا دکھلاتے ہین۔ ۱۲

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہین سکتی	ك١	چمن زنگار ہے آئینۂ باد بہاری کا
حریف جوشش دریا نہین خودداری ساحل	ك٢	جہان ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

ك١ بغیر کثافت کے لطافت جلوہ گر نہین ہو سکتی۔ مصرعہ ثانی اس بیان کا مثالی ثبوت ہے۔ اس طور پر کہ باد بہاری کا جلوہ چمن کے ذریعے سے نمودار ہوتا ہے۔ حالانکہ چمن باعتبار اپنی سبزی کے گویا آئینہ بہاری کا زنگار ہوتا ہے۔ دکھلانا یہ ہے کہ یہان بھی کثافت (زنگار چمن) کے بغیر لطافت (لطافت باد بہار) جلوہ گر نہ ہوئی۔

ك٢ جس طرح سے کہ جوشش دریا کے مقابلے مین ساحل اپنے کو غرق آب ہونے سے روک نہین سکتا اُسی طرح سے جہان تو ساقی ہو وہان ہوشیاری کا دعویٰ نہین ہو سکتا۔ ۱۲

عشرت قطرہ ہے دریا مین فنا ہو جانا (۱) درد کا حد سے گذرنا ہو دوا ہو جانا
تجھ سے قسمت مین مری صورت قفل ابجد (۲) تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا
دل ہوا کشمکش چارۂ زحمت مین تمام (۳) مٹ گیا گھسنے مین اس عقدے کا وا ہو جانا
اب جفا سے بھی ہین محروم ہم اللہ اللہ اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا
ضعف سے گریہ مبدل بہ دم سرد ہوا باور آیا ہمین پانی کا ہوا ہو جانا
دل سے مٹنا تری انگشت حنائی کا خیال ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا
ہے مجھے ابر بہاری کا برس کر کھلنا (۴) روتے روتے غم فرقت مین فنا ہو جانا
گر نہین نکہت گل کو ترے کوچے کی ہوس کیون ہے گرد رہ جولان صبا ہو جانا
تاکہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوائے صیقل (۵) دیکھ برسات مین سبز آئینے کا ہو جانا

بخشے ہے جلوۂ گل ذوق تماشا غالبؔ
چشم کو چاہیئے ہر رنگ مین وا ہو جانا

(۱) جب درد حد سے گذر جاے گا تو وہ صاحب درد کی ذات کو فنا کر دے گا اور اس کے لیئے درد باقی نہ رہے گا اس طرح پر درد کا حد سے گذرنا درحقیقت دوا ہو جانا ہو کیونکہ فنا ہو کر قطرہ دریا سے مل جاے گا اور جزو کا کل مین فنا ہو جانا عین مقصود ہے۔

(۲) قفل ابجد ایک قسم کا قفل ہوتا ہو جسمین حلقون پر حروف ابجد کندہ ہوتے ہین۔ اور جب تک یہ سب حروف بترتیب مقررہ نہین ملتے قفل نہین کھلتا اس شعر مین "بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا" اسی رعایت سے آیا ہو۔ ۱۲ مطلب یہ ہو کہ جسطرح مقررہ لفظ کے بنتے ہی قفل ابجد کھل کر جدا ہو جاتا ہے اسی طرح بدقسمتی سے میری بات (تدبیر) کے بنتے ہی مجھے تجھ سے جدائی نصیب ہو گئی۔

(۳) زحمت دل کے دور کرنے کی اتنی کوششین کی گئین کہ ان کوششون کی کثرت اور کشمکش مین دل ہی تمام ہو گیا۔ گویا ایک عقدہ تھا جس کے کھولنے کی اس درجہ کوشش کی گئی کہ کھولتے کھولتے "اس عقدے کا وا ہونا" گھس کر رہ گیا یعنی ناممکن ہو گیا۔ قاعدہ ہے کہ زیادہ کوشش کرنے سے اکثر گرہ اور بھی سخت ہو جاتی ہے اور اُس کا کھلنا ناممکن ہو جاتا ہو۔ ۱۲

(۴) جسطرح ابر کا برس کر کھل جانا بھلا معلوم ہوتا ہو اسی طرح غم ہجر مین روتے روتے مرجانا مجھے عجب ا

معلوم ہوگا۔

؎ آئنہ یعنی آئینہ فولادی جو برسات مین سبز ہو جاتا ہے۔ ہوائے صیقل یعنی خواہش صیقل آئینے کا سبز ہو جانا ہوا کے اثر سے ہے گویا آئینہ اعجاز ہوا سے سبز ہو گیا ہے۔ اگرچہ اس ہوا سے ہوائے صیقل یعنی خواہش صیقل ہی کیون نہ مراد ہو مقصود شاعر یہ ہے کہ آج کل اعجاز ہوا یہان تک بڑھا ہوا ہے کہ ہوا یعنی خواہش مین بھی وہی تاثیر اور اعجاز پیدا ہو گیا ہی جو اصلی ہوا مین ہوتا ہی۔

ردیف "ب"

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب ۱؎ دے بطے کو دل و دست شنا موج شراب
پوچھ مت وجہ سیہ مستی ارباب چمن ۲؎ سایۂ تاک مین ہوتی ہی ہوا موج شراب
جو ہوا غرقۂ مے بخت رسا رکھتا ہے ۳؎ سر سے گذرے پہ بھی ہی بال ہما موج شراب
ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہی اگر موج ہستی کو کرے فیض ہوا موج شراب
چار موج اٹھتی ہی طوفان طرب سے ہر سو ۴؎ موج گل موج شفق موج صبا موج شراب
جس قدر روح نباتی ہی جگر تشنۂ ناز ۵؎ دے ہے تسکین بدم آب بقا موج شراب
بسکہ دوڑے ہے رگ تاک مین خون ہو ہو کر شہپر رنگ سے ہے بال کشا موج شراب
موجۂ گل سے چراغان ہی گذرگاہ خیال ۶؎ ہے تصور مین زبس جلوہ نما موج شراب
نشے کے پردے مین ہی محو تماشائے دماغ ۷؎ بسکہ رکھتی ہے سر نشو و نما موج شراب
ایک عالم پہ ہین طوفانی کیفیت فصل ۸؎ موجۂ سبزۂ نوخیز سے تا موج شراب
شرح ہنگامۂ ہستی ہے زہے موسم گل ۹؎ رہبر قطرہ بدریا ہے خوشا موج شراب

ہوش اڑتے ہین مرے جلوۂ گل دیکھ اسد
پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب

۱؎ بطے یعنی صراحی مے جو بہ شکل بط ہو۔ دل و دست شنا یعنی حوصلہ و قوت شناوری۔ مطلب یہ ہی کہ موسم برشگال آیا یعنی اب پھر وہ زمانہ آیا کہ شراب نوشی کا دور دورہ ہو۔

۲ه ارباب چمن یا جوانان چمن یعنی اشجار سرسبز۔ ارباب چمن کے لیے سیہ مستی کا لفظ بہت مناسب ہی کیونکہ درختوں کی گہری سبزی سیاہی کی حد تک پہونچ جاتی ہے۔ شاعر کہتا ہی کہ یہ جو چمن مین درخت مستانہ وار جھوم رہے ہین ان کی اس جنبش سرور کا سبب یہ ہے کہ سایۂ انگور مین ہو کر گذرنے کے سبب سے ہوا مین شراب کی تاثیر پیدا ہو گئی ہی۔

۳ه موج شراب کو بال ہما سے مشابہ کرتا ہے یعنی ہما کے مانند موج شراب کا بھی سر سے گذرنا دلیل بخت ہی موج شراب کے سر سے گذرنے مین نشہ کے حد سے گذر جانے کی طرف اشارہ ہی "بھی" کی معنوی قوت (جسے انگریزی مین فورس کہتے ہین) اس شعر مین یہ ہی کہ اگر شراب کا استعمال باعتدال ہو تو اُس کا کیا کہنا لیکن اگر اس کا نشہ حد سے متجاوز ہو جاے تب بھی وہ بال ہما سے مشابہ ہی۔

۴ه چار موج یعنی گرداب۔ لطف یہ ہی کہ دوسرے مصرعے مین چار قسم کی موجون کا ذکر بھی موجود ہے ۱۲

۵ه جگر تشنہ یا تشنہ جگر یعنی شایق۔ روح نباتی یعنی قوت نامیہ ۱۲

جس قدر قوت نمو مشتاق ناز ہی اُسی قدر موج شراب (بہ دم آب بقا) اس کو تسکین دیتی ہو یعنی شراب سے قوت نمو کے حسن اور اُس کے ناز مین ترقی ہوتی ہے ۱۲

۶ه موج شراب جو موج گل سے مشابہ ہو اُسکے تصور سے گذرگاہ خیال مین چراغان کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہی۔ ہجوم گل کو چراغان سے مشابہ کیا ہی۔

۷ه نشو و نما یعنی نشو و نماے دماغ۔ سر یعنی خیال و خواہش۔ یہ لفظ دماغ کی رعایت سے آیا ۱۲

مطلب یہ ہے کہ شراب کو چونکہ نشو و نماے دماغ کا خیال ہے اس لیے وہ بشکل نشہ سعایۂ دماغ کر رہی ہے ۱۲

۸ه طوفانی یعنی جوش و خروش کا اظہار کرنے والے فصل یعنی یہ موسم بارش ۱۲

کہتا ہے کہ تمام طوفانیان کیفیت فصل (یعنی موجۂ سبزۂ نوخیز سے لیکر موج شراب تک سب) ایک ہی رنگ مین ہین یعنی مستی کے عجب عالم مین ہین ۱۲

۹ه چونکہ موسم گل بھی ہنگامۂ ہستی کے مانند چند روزہ اور خوش گوار ہوتا ہی اس لیے اُسے شرح ہنگامۂ مستی کہا اور چونکہ شراب بھی بے خودی پیدا کرتی ہے جو فنا سے مشابہت رکھتی ہی اسلیے اس کو "رہبر قطرہ بہ دریا" کہا کیونکہ فنا قطرے کو دریا سے اور جزو کو کل سے ملا دیتی ہے ۱۲

ردیف "ت"

افسوس کہ دندان کا کیا رزق فلک نے ۔۔۔ (۱) ۔۔۔ جن لوگون کو تھی در خور عقد گہر انگشت
کافی ہے نشانی تری، چھلے کا نہ دینا ۔۔۔ خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت

لکھتا ہون اسد سوزش دل سے سخن گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت

(۱) جن لوگون کی انگشت سلک گہر کے قابل تھی افسوس کہ فلک نے دانتون، دندان کا رزق کیا یعنی افسوس کہ وہ لوگ انگشت حسرت بدندان ہین۔

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت ۔۔۔ پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت
جگر کو مرے، عشق خونابہ مشرب ۔۔۔ لکھے ہے خداوند نعمت سلامت
علی الرغم دشمن شہید وفا ہون ۔۔۔ (۱) ۔۔۔ مبارک مبارک سلامت سلامت
نہین گر سر و برگ ادراک معنے ۔۔۔ (۲) ۔۔۔ تماشائے نیرنگ صورت سلامت

(۱) علی الرغم دشمن یعنی برخلاف خواہش رقیب۔ کیونکہ محبت مین شہید وفا ہونا ایک بہت بڑا امتیاز ہے ۱۲ خلاف خواہش رقیب شہید وفا ہونے پر مبارکباد دیتا ہے۔
(۲) سر و برگ یعنی سامان، صورت ضد معنی، مطلب یہ ہے کہ اگر دریافت حقیقت کی قوت نہین ہے تو تماشائے صورت ہی سہی ۱۲

مند گئین کھولتے ہی کھولتے آنکھین غالب ۔۔۔ یار لائے مرے بالین پہ اُسے، پر کس وقت

آمد خط سے ہوا ہے سرد جو بازار دوست ۔۔۔ (۱) ۔۔۔ دود شمع کشتہ تھا شاید خط رخسار دوست
اے دل نا عاقبت اندیش ضبط شوق کر ۔۔۔ کون لا سکتا ہے تاب جلوۂ دیدار دوست
خانہ ویران سازی حیرت تماشا کیجیے ۔۔۔ (۲) ۔۔۔ صورت نقش قدم ہون رفتۂ رفتار دوست
عشق مین بیداد رشک غیر نے مارا مجھے ۔۔۔ کشتۂ دشمن ہون آخر گرچہ تھا بیمار دوست
چشم ما روشن کہ اُس بیدرد کا دل شاد ہے ۔۔۔ (۳) ۔۔۔ دیدۂ پرخون ہمارا ساغر سرشار دوست

غیر یون کرتا ہی میری پرسش اسکے ہجر مین / بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوار دوست

تاکہ مین جانون کہ ہے اُسکی رسائی وان تلک / مجھکو دیتا ہی پیام وعدۂ دیدار دوست

جبکہ مین کرتا ہون اپنا شکوۂ ضعف دماغ / سر کرے ہی وہ حدیث زلف عنبر یار دوست

چپکے چپکے مجھکو روتے دیکھ پاتا ہے اگر / ہنس کے کرتا ہے بیان شوخی گفتار دوست

مہربانیہاے دشمن کی شکایت کیجیے / یا بیان کیجیے سپاس لذت آزار دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ / ہے ردیف شعر مین غالبؔ زبس تکرار دوست

سلہ دآمد خط سے حسن یار کا بازار سرد ہوگیا اس لیے خط روے یار کو بجھی ہوئی شمع کے دھوئین کے مشابہ کیا۔
سلہ خانہ ویران سازی خانہ خرابی۔ گھر کا اُجاڑ دینا۔ رفتہ رفتہ۔ رفتار پر مٹا ہوا یعنی شیدا ے رفتار تماشا کیجیے فارسی محاورے کا ترجمہ ہی یعنی ملاحظہ کیجیے۔ خود کو باعتبار حیرانی و پامالی خانہ برد دی نقش پا سے مشابہ کیا ہی۔
سلہ مصرعہ ثانی مین "ہے" کا محذوف ہونا بغایت ناگوار ہے۔ دیدۂ پر خون کی رعایت سے (چشم ما روشن) اور چشم ما روشن کے لحاظ سے "دل شاد" نظم کیا ہی۔

ردیف "ج"

گلشن مین بندوبست برنگ دگر ہے آج / سلہ قمری کا طوق حلقۂ بیرون در ہے آج

آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغان کیساتھ / سلہ تار نفس کمند شکار اثر ہے آج

اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل / سلہ سیلاب گریہ درپے دیوار و در ہے آج

لو ہم مریض عشق کے تیماردار ہین / سلہ اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

سلہ حلقۂ بیرون در یعنی بیرون در کی زنجیر کا حلقہ۔ مجازاً وہ شخص جسے اندر آنے کی اجازت نہ ہو شاید ہمارا محبوب چمن کو آنے والا ہی۔ اس لیے کسی کو باغ مین داخل ہونے کی اجازت نہین ہی اور گلے قمری کا طوق گویا حلقۂ بیرون در بنا ہوا ہے ۔۱۲
سلہ تار نفس کی کمند نے اثر کو شکار کر لیا ہی یعنی آج ہماری آہ مین اثر پیدا ہوا ہے لیکن اس اثر کا نتیجہ

الٹا ہو کہ ہر فغان کے ساتھ ایک پارۂ دل باہر آتا ہے یعنی اثر آہ سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اثر آہ کے اس الٹے نتیجے کے ذکر سے اپنی بدبختی کا اظہار منظور ہے۔ ۱۲

۳ہ چل یعنی رخصت ہو۔ کیونکہ سیلاب گریہ کے مقابلے مین عافیت و انتظام کا وجود ہونا ناممکن ہے

۴ہ لوگ اصرار کرتے ہین تو ہم مریض عشق کی تیمارداری کرتے ہین۔ لیکن اگر مسیحا سے مریض عشق اچھا نہ ہوا تو پھر مسیحا کی کیا سزا (معاذ اللہ)

یا یہ کہ لو ہم مریض عشق کی تیمارداری کرتے ہین۔ لیکن جب یہ معلوم ہے کہ وہ اچھا نہ ہوگا تو مسیحا کا کیا علاج یعنی علاج مسیحا بیکار ہے۔ ۱۲

ردیف "چ"

۱ہ نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ — اگر شراب نہین انتظار ساغر کھینچ

۲ہ کمال گرمی سعی تلاش دید نہ پوچھ — برنگ خار مرے آئینے سے جوہر کھینچ

۳ہ تجھے بہانۂ راحت ہے انتظار اے دل — کیا ہے کس نے اشارہ کہ ناز بستر کھینچ

۴ہ تری طرف ہے بحسرت نظارۂ نرگس — بکوری دل و چشم رقیب ساغر کھینچ

۵ہ بنیم غمزہ ادا کر حق ودیعت ناز — نیام پردۂ زخم جگر سے خنجر کھینچ

۶ہ مرے قدح مین ہے صہبائے آتش پنہان — بروئے سفرہ کباب دل سمندر کھینچ

۱ہ نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ۔ یعنی ترک آرزو نہ کر۔ اگر شراب نہین ہے تو انتظار ساغر ہی سہی۔ بہر حال ترک آرزو نہ کر۔ ۱۲

۲ہ آئینہ یعنی میری حسرت دیدار کا آئینہ جسمین جوہرون کے بدلے کانٹے ہین جن کو کمال گرمی سعی تلاش، کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ زیادہ تلاش اور دوڑ دھوپ کرنے والون کے پانون مین کانٹے گڑ جایا کرتے ہین۔

۳ہ انسان جب مائل خواب ہوتا ہے تو اس کو بستر کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کو خواب کے لیے گویا بستر کا ناز کھینچنا پڑتا ہے۔ یہان شاعر دل کو خطاب کرکے کہتا ہے کہ تیری راحت

کے لیے میل خواب اور نازکشی کے بجاے انتظار یار کاتی ہے ۱۲

۴؎ بکوری دل وچشم رقیب یعنی علی الرغم عدو، خلاف خواہش نرگس جو تجھے بے تکلف مے نوشی دیکھنا چاہتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر نرگس تیری طرف بڑی حسرت سے دیکھ رہی ہے اس لیے تجھ کو چاہیے کہ تو باغ مین اس طرح بے تکلف شراب نوشی مین مشغول نہ ہو۔ نرگس کو اُس کی نگاہ حسرت کے لحاظ سے اپنا رقیب قرار دیا۔

۵؎ مین نے تیرے خنجر کو پردۂ زخم جگر کے نیام مین امانت رکھا ہے اب تو بھی اس کا حق ودیعت یا مزد امانت" بہ نیم غمزہ ادا کر" ۱۲ لطف یہ ہے کہ نیام سے خنجر یا الف کے نکال لینے کے بعد "نیم" باقی رہ جاتا ہے۔

۶؎ آتش نہان کی شراب کے ساتھ دل سمندر کے کباب کی ضرورت ہے۔ ۱۲ کھینچ یعنی چھین دے۔

ردیف "د"

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد — بارے آرام سے ہین اہل جفا میرے بعد

منصب شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا — ہوئی معزولی انداز و ادا میرے بعد

شمع بجھتی ہے تو اس مین سے دھوان اُٹھتا ہے — شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

خون ہے دل خاک مین احوال بتان پر یعنی — ۱؎ اُن کے ناخن ہوے محتاج حنا میرے بعد

درخور عرض نہین جوہر بیداد کو جا — ۲؎ نگہ ناز ہے سُرمے سے خفا میرے بعد

ہے جنون اہل جنون کے لیے آغوش وداع — ۳؎ چاک ہوتا ہے گریبان سے جدا میرے بعد

کون ہوتا ہے حریف مے مردافگن عشق — ۴؎ ہے مکرر لب ساقی مین صلا میرے بعد

غم سے مرتا ہون کہ اتنا نہین دنیا مین کوئی — کہ کرے تعزیت مہر و وفا میرے بعد

آئے ہے بیکسی عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد

۱؎ مجھکو احوال بتان پر افسوس آتا ہی کہ میرے بعد میرے سوگ مین اُنھون نے مہندی لگانا چھوڑ دیا ہی -
۲؎ عرض یعنی کسی چیز کا کسی پر ظاہر کرنا - جوہر بیداد کے اظہار کے لیے اب کوئی جاے مناسب باقی نہین رہی یعنی میرے بعد اُن کے ستم ناز کا تختۂ مشق بننے کے لیے کوئی باقی نہین رہا - یہی وجہ ہے کہ میرے بعد اُنھون نے مہندی کی طرح سرمہ لگانا بھی چھوڑ دیا ہی گویا اُن کی نگاہ ناز سرمے سے خفا ہے -
۳؎ آغوش وداع ہے یعنی رخصت کر رہا ہے -
۴؎ مصرعۂ اول مجموعۂ الفاظ صلا ہے - پہلی بار ساقی سوالیہ لہجے مین دریافت کرتا ہی کہ "کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق" یعنی کوئی ہے جو مے مرد افگن عشق کا حریف ہو؟
پھر جب اس آواز پر کوئی نہین آتا تو اسی مصرعہ کو مایوسی کے لہجے مین مکرر پڑھتا ہی کہ "کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق" یعنی کوئی نہین ہوتا (یادگار غالب)

ردیف "ر"

بلا سے ہین جو یہ پیش نظر در و دیوار	۱؎	نگاہ شوق کو ہین بال و پر در و دیوار
وفور اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ	۲؎	کہ ہو گئے مرے دیوار و در در و دیوار
نہین ہے سایہ کہ سُن کر نوید مقدم یار	۳؎	گئے ہین چند قدم پیشتر در و دیوار
ہوئی ہے کس قدر ارزانی مے جلوہ		کہ مست ہے ترے کوچے مین ہر در و دیوار
جو ہے تجھے سر سودا ے انتظار تو آ	۴؎	کہ ہین دکان متاع نظر در و دیوار
ہجوم گریہ کا سامان کب کیا مین نے		کہ گر پڑے نہ مرے پانون پر در و دیوار
وہ آرہا مرے ہمسایے مین تو سایے سے	۵؎	ہوے فدا در و دیوار پر در و دیوار
نظر مین کھٹکے ہے بن ترے گھر کی آبادی		ہمیشہ روتے ہین ہم دیکھکر در و دیوار
نہ پوچھ بیخودی عیش مقدم سیلاب		کہ ناچتے ہین پڑے سر بسر در و دیوار

نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہین زمانے مین
حریف راز محبت مگر در و دیوار

١ نگاہ شوق کو در و دیوار روک نہین سکتے بلکہ اُلٹے بال و پر کا کام دیتے ہین یعنی رکاوٹون سے شوق مین اور بھی ترقی ہوتی ہے۔ ١٢

٢ دیوار و در در و دیوار ہو گئے ہین یعنی تہ و بالا ہو کر دیوار در ہو گئی اور دروازہ مٹی سے بند ہو کر دیوار بن گیا ہے ١٢

٣ مقدم بمعنی آنا۔ کہ = بلکہ۔ سایہ یعنی در و دیوار کا سایہ جو استقبال کے لیئے دیوار سے آگے بڑھ گیا ہے۔

٤ یعنی عشاق کی نگاہین انتظار مین در و دیوار پر جمی ہوئی ہین گویا در و دیوار متاع نظارہ کی دکان بن گئے ہین۔ اگر تجھے جنس انتظار کی خریداری منظور ہے تو آ۔

٥ سائے سے یعنی بذریعہ سایہ۔ ١٢ ایک مکان کا سایہ بڑھکر دوسرے مکان سے اکثر مل جاتا ہے اسی خیال سے یہ پیدا ہوا۔

گھر جب بنا لیا ترے در پر کہے بغیر
جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر

کہتے ہین جب رہی نہ مجھے طاقت سخن
جانون کسی کے دل کی مین کیونکر کہے بغیر

کام اس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جہان مین
لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر

جی ہی مین کچھ نہین ہے ہمارے وگرنہ ہم
سر جائے یا رہے نہ رہین پر کہے بغیر

چھوڑون گا مین نہ اُس بُتِ کافر کا پوجنا
چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر

مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو مین کام ١
چلتا نہین ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہین ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

بہرا ہون مین تو چاہیئے دونا ہو التفات
سنتا نہین ہون بات مکرر کہے بغیر

غالب نہ کر حضور مین تو بار بار عرض
ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کہے بغیر

١ گفتگو مین مثلاً شعر و سخن مین دشنہ و خنجر سے ناز و غمزہ مراد لیا کرتے ہین

کیون جل گیا نہ تاب رُخ یار دیکھ کر ١
جلتا ہون اپنی طاقت دیدار دیکھ کر

آتش پرست کہتے ہین اہل جہان مجھے
سرگرم نالہ ہائے شرربار دیکھ کر

کیا آبروے عشق جہان عام ہو جفا	۲	رکتا ہون تم کو بے سبب آزار دیکھکر
آتا ہے میرے قتل کو پر جوش رشک سے	۳	مرتا ہون اس کے ہاتھ مین تلوار دیکھکر
ثابت ہوا ہے گردن مینا پہ خون خلق	۴	لرزے ہے موج مے تری رفتار دیکھکر
وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ		ہم کو حریص لذت آزار دیکھکر
بک جاتے ہین ہم آپ متاع سخن کے ساتھ		لیکن عیار طبع خریدار دیکھکر
زنار باندھ سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال	۵	رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھکر
ان آبلون سے پانون کے گھبرا گیا تھا مین		جی خوش ہوا ہے راہ کو پرخار دیکھکر
کیا بدگمان ہے مجھ سے کہ آئینے مین مرے	۶	طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھکر
گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر		دیتے ہین بادہ ظرف قدح خوار دیکھکر

سر پھوڑتا وہ غالب شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھکر

۱ اسی مضمون کا ایک دوسرا شعر مرزا نے لکھا ہے ؎

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے	مین اُسے دیکھون بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

۲ عام ہو جفا یعنی عاشق صادق کے علاوہ عوام اہل ہوس پر بھی ہو۔ ۱۲

۳ جوش رشک سے یعنی تلوار کی خوش قسمتی پر جو دست یار مین ہے۔ ۱۲

۴ موج مے کے لرزنے کی یہ وجہ تھی کہ خون خلق تیری رفتار مستانہ سے ہوا اور تیری مستی کا باعث مے نوشی تھی پس گویا خون خلق گردن مینا پر ثابت ہوا۔ اسی قصور کے خیال سے وہ لرزتی ہی ہے۔

۵ لطف مضمون یہ ہے کہ بظاہر صورت زنار تسبیح سے زیادہ ہموار ہوتی ہے کیونکہ اُس مین تسبیح کی طرح دانے نہین ہوتے ۱۲۔ تسبیح پر زنار کو ترجیح دینا شاعرون کا عام دستور ہے۔

۶ طوطی و آئینہ مین وہی نسبت ہے جو گل و بلبل مین ہے۔ زنگار اور طوطی مین سبزی کی وجہ سے مشابہت ہے۔ استعارون کو دور کرنے سے مطلب یہ نکلتا ہے کہ میرے دل کی افسردگی یاس و محرومی کے اثر سے ہے لیکن وہ بدگمان یہ سمجھتا ہے کہ اس افسردگی اور تنگ جوشی کا سبب یہ ہے کہ کسی دوسرے کی محبت میرے دل مین جاگزین ہو گئی ہے۔ ۱۲

لرزتا ہے مرا دل زحمتِ مہرِ درخشاں پر ۱ہ میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خارِ بیاباں پر
نہ چھوڑی حضرتِ یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی ۲ہ سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر
فنا تعلیمِ درسِ بیخودی ہوں اُس زمانے سے ۳ہ کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر
فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویشِ مرہم سے بہم گر صلح کرتے پارہ ہاے دل نمکداں پر
نہیں اقلیمِ الفت میں کوئی طومارِ ناز ایسا ۴ہ کہ پشتِ چشم سے جسکے نہ ہووے مہر عنواں پر
مجھے اب دیکھکر ابرِ شفق آلودہ یاد آیا ۵ہ کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر
بجز پروازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا ۶ہ قیامت اک ہواے تند ہے خاکِ شہیداں پر

نہ لڑ ناصح سے غالب کیا ہوا گر اُس نے شدت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

۱ہ اول تو قطرۂ شبنم ہی کی کیا ہستی دوسرے وہ قطرہ بھی کیسا قطرہ جو خارِ بیاباں کی نوک پر ہو یعنی جس کا خود بخود فنا ہوجانا یقینی ہو۔ شاعر کہتا ہے کہ میرا دل مہرِ درخشاں کی زحمت پر لرزتا ہے کہ وہ ایک ایسے قطرۂ ناچیز کے فنا کرنے کی تکلیف اُٹھاتا ہے گویا ع شاہبازے بہ شکارِ مگسے می آید ۱۲

۲ہ "پھرتی ہے" میں ایہام ہے ایک تو سفیدی چشمِ یعقوب کی جو دیوارِ زنداں پر شوقِ تلاش و دیدارِ حضرت یوسف میں پھرتی ہے۔ دوسرے سفیدی جو مکانوں پر آرائش اور صفائی کی غرض سے پھرتی ہے ۱۲

۳ہ میں درسِ بیخودی میں تعلیمِ فنا اس وقت سے پاتا ہوں کہ مجنوں طفلِ مکتب تھا اور مکتب کی دیوار پر بچوں کی طرح لکیریں کھینچا کرتا تھا (لا اور فنا میں رعایت لفظی ہے)

۴ہ طومار بمعنی دفتر پشتِ چشم کنایہ از غمزہ و اغماض۔ اقلیمِ الفت میں کوئی طومارِ ناز ایسا نہیں جسکے عنوان پر پشتِ چشم سے مہر نہ ہو یعنی جس طرح دفتر پر مہر کا ہونا ضروری ہے اسی طرح ناز کے ساتھ آنکھ چرانا بھی ضروری ہوتا ہے۔

۵ہ ہجرِ یار میں ابرِ شفق آلودہ دیکھکر بمقتضاے حسرت میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ گلشن پر آگ برستی تھی ۱۲۔
"اب یاد آیا" یعنی اس وقت تک فرطِ صدمۂ ہجر کے سبب اس بات کا خیال بھی نہ آیا تھا۔

۶ہ قیامت میں مردے زندہ ہوکر اُٹھیں گے لیکن شاعر کہتا ہے کہ تیرے شہیدوں میں سواے "پروازِ شوقِ ناز" اور کیا باقی رہا ہوگا جو قیامت اُنھیں اُٹھاے گی۔ اُن کے لیے تو قیامت ایک

ہواے تند ہو گی جوان کی خاک کو (جو پہلے ہی سے شوق ناز مین اُڑ رہی ہی) کچھ اور بھی پریشان کر دیگی۱۲

سکہ اس شعر کے لطف کا اندازہ قوت تحریر سے بالاتر ہے۔ محرومی اور مجبوری کی کیا خوب تصویر کھینچی ہے کہتا ہی کہ اگر ناصح ہم پر شدت اور سخت گیری کرتا ہے تو ہم اپنا گریبان چاک کر ڈالین گے دیکھنا یہ ہی کہ ناصح کی شدت کا عوض کس طور پر اور کس سے لینا چاہتا ہی اور اس مین مجبوری کا کیا پہلو نکلتا ہے۔

ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشارے مین نشان اور	سلہ	کرتے ہین محبت تو گذرتا ہے گمان اور
یارب وہ نہ سمجھے ہین نہ سمجھین گے مری بات		دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھکو زبان اور
ابرو سے ہے کیا اُس نگہ ناز کو پیوند	سکہ	ہے تیر مقرر مگر اُس کی ہے کمان اور
تم شہر مین ہو تو ہمین کیا غم جب اٹھین گے	سلہ ۳	لے آئین گے بازار سے جا کر دل و جان اور
ہر چند سبک دست ہوے بت شکنی مین	سکہ ۴	ہم ہین تو ابھی راہ مین ہین سنگ گران اور
ہے خون جگر جوش مین دل کھولکے روتا		ہوتے جو کئی دیدۂ خونابہ فشان اور
مرتا ہون اس آواز پہ ہر چند سر اُڑ جاے	شہ ۵	جلاد کو لیکن وہ کہے جائین کہ ہان اور
لوگون کو ہے خورشید جہان تاب کا دھوکا		ہر روز دکھاتا ہون مین اک داغ نہان اور
لیتا، نہ اگر دل تمھین دیتا، کوئی دم چین	سکہ ٦	کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغان اور
پاتے نہین جب راہ تو چڑھ جاتے ہین نالے		رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے روان اور

ہین اور بھی دنیا مین سخنور بہت اچھے
کہتے ہین کہ غالب کا ہے انداز بیان اور

سلہ "ہوتا ہی گمان اور" یعنی یہ گمان ہوتا ہی کہ وہ اظہار محبت اس لیے کرتے ہین کہ ہماری فریفتگی اور عشق کا حال دریافت کر لین جب اُن کو ہمارے عشق کا یقین ہو جاے گا تو محبت کے بجاے ناز معشوقانہ شروع کر دین گے۔۱۲

سکہ نگہ ناز کو تیر قرار دیا ہے لیکن کہتا ہی کہ اس تیر کی کمان ابرو نہین ہی بلکہ اور ہی کچھ ہی مثلاً کمان دلربائی کہ مثل کمان قضا اُس کا نشانہ کبھی خطا نہین کرتا۔۱۲

سکہ یعنی ہمارے عہد مین دل فروشی اور جان فروشی کا بازار گرم ہی۔۱۲

سلہ سبک دست یعنی مشتاق۔ ہم یعنی ہماری ذات یا ہمارا وجود۔
مطلب یہ ہی کہ جب تک اپنی ہستی سے گذر نہ جائین ہم راہ معرفت طے نہین کر سکتے۔ ۱۲
سلہ "ہان اور" مین چونکہ حکم کا پہلو نکلتا ہی۔ اس لئے "کہے جائین" کا صلہ "کو" بھی صحیح ہی مثلاً
"ساتھ والون کو کہا کہ یہ سب نقد و جنس بار کرو" (باغ و بہار میر امن صفحہ
"جلاد سے کہے جائین" زیادہ فصیح سمجھا جاتا ہی۔
سلہ اس شعر کی نثر یون ہی "اگر تمھین دل نہ دیتا (تو) کوئی دم (اور) جیین لیتا۔ اور جو
(اگر) نہ مرتا (تو) کوئی دن اور آہ و فغان کرتا"

صفائے حیرت آئینہ ہی سامان زنگ آخر		تغیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہی رنگ آخر
نہ کی سامان عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی		ہوا جام زمرد بھی مجھے داغ پلنگ آخر

سلہ آب برجا ماندہ۔ پانی جو ایک جگہ پڑا ٹھیرا رہے۔ اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہی۔ اُسی طرح سے آئینے
کی صفائے حیرت ہی سے زنگ پیدا ہو جاتا ہی آئینے کو پانی سے اور پانی پر کی کائی کو زنگ سے تشبیہ دی ہی ۱۲
سلہ تدبیر یعنی علاج سامان عیش سے میری وحشت کا علاج نہین ہوتا بلکہ وحشت اور بھی بڑھ جاتی ہی اور
جام زمرد بھی داغ پلنگ معلوم ہوتا ہی

جنون کی دستگیری کس سے ہو گر ہو نہ عریانی	سلہ	گریبان چاک کا حق ہو گیا ہی میری گردن پر
بہ رنگ کاغذ آتش زدہ نیرنگ بیتابی	سلہ۲	ہزار آئینہ دل باندھے ہی بال یک تپیدن پر
فلک سے ہم کو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے	سلہ۳	متاع بردہ کو سمجھے ہوے ہین قرض رہزن پر
ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہے	سلہ۴	شعاع مہر سے تہمت نگہ کی چشم روزن پر
فنا کو سونپ گر مشتاق ہی اپنی حقیقت کا		فروغ طالع خاشاک ہی موقوف گلخن پر

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
کہ مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

سلہ چاک گریبانی کا نتیجہ عریانی ہی اور عریانی دستگیر جنون ہی۔ پس گریبان سے خطاب کر کے
کہتا ہے کہ اے گریبان مین چونکہ آشنائے جنون ہون اس لیے اس چاک کا میری گردن پر حق
ہو گیا ہی۔ کیونکہ اس نے مجھ کو عریان کر کے گویا میرے جنون کی دستگیری کی ہی۔ ۱۲

سلہ اس شعر کی نثر یون ہے نیرنگ بیتابی یک بال تپیدن پر ہر رنگ کاغذ آتش زدہ ہزار آئینہ دل باندھے ہے۔ نیرنگ یعنی شعبدہ باز۔ بال یعنی بازو۔

کاغذ آتش زدہ پر جل جانے کے بعد ہزارون نقطہائے روشن نمودار ہو جاتے ہین۔ غالب نے بال تپیدن کو کاغذ آتش زدہ سے تعبیر کیا ہے اور اُسکے نقطہائے روشن کو دلون سے مشابہ کیا۔ ۱۲

سہ ۳ متاع بُردہ یعنی لوٹی ہوئی متاع۔ یہ مضمون بالکل وقوعیات مین سے ہے جو لوگ آسودگی کے بعد مفلس ہو جاتے ہین وہ ہمیشہ اپنے تئین مظلوم وستم رسیدہ و فلک زدہ سمجھا کرتے ہین اور اخیر دم تک اس بات کے متوقع رہتے ہین کہ ضرور کبھی نہ کبھی ہمارا انصاف ہوگا اور ہمارا اقبال پھر عود کریگا (یادگار غالب)

سہ ۴ بے سبب رنج یعنی بے سبب آزردہ ہو جانیوالا۔ مصرعۂ ثانی لفظ بے سبب رنج کی تشریح کرتا ہے۔ یعنی ہم کو اُس بے سبب رنج اور آشنا دشمن محبوب سے کام پڑا ہے جو شعاع مہر کو تار نظر قرار دیکر چشم روزن پر بدنظری کی تہمت رکھتا ہے ۱۲

ستمکش مصلحت سے ہون کہ خوبان تجھپہ عاشق ہین	سلہ	تکلف برطرف مل جائیگا تجھسا رقیب آخر

سلہ تو کہ محبوب محبوبان عالم ہے۔ تیرے چاہنے والون مین سے پھر کوئی ایسا رقیب نکل آئے گا جو تجھ سا حسین ہوگا۔ مین اُس سے دل لگاؤن گا۔ ۱۲

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور		تنہا گئے کیون اب رہو تنہا کوئی دن اور
مٹ جائیگا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا		ہون در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور
آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤن		مانا کہ ہمیشہ نہین اچھا کوئی دن اور
جاتے ہوے کہتے ہو قیامت کو ملین گے	سلہ	کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور
ہان اے فلک پیر جوان تھا ابھی عارف		کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور
تم ماہ شب چاردہم تھے مرے گھر کے	سہ ۲	پھر کیون نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور
تم کون سے تھے ایسے کھرے داد وستد کے		کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
مجھسے تمھین نفرت سہی نیر سے لڑائی		بچون کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور
گذری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش		کرنا تھا جوان مرگ گذارا کوئی دن اور

نادان ہو جو کہتے ہو کہ کیون جیتے ہین غالب
قسمت مین ہی مرنے کی تمنا کوئی دن اور

سلہ کیا خوب قیامت کبھی ہی گویا کوئی دن اور" یعنی ہمارے لیئے تمھاری موت کی وجہ سے آج ہی قیامت ہی۔ ۱۲

سلہ اسمین اشارہ یہ ہی کہ بدر کبھی رفتہ رفتہ کم ہو کر غائب ہوتا ہی۔ پس تمھارا دفعتاً مرجانا قیامت ہی۔ ۱۲

ردیف " ز "

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح مہر	سلہ	ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز
ہے ناز مفلسان زر از دست رفتہ پر	سلہ	ہون گلفروش شوخی داغ کہن ہنوز
میخانۂ جگر مین یہان خاک بھی نہین	سلہ	خمیازہ کھینچے ہے بت بیداد فن ہنوز

سلہ جیب کفن کو صبح سے اور داغ عشق کو آفتاب سے مشابہ کیا ہی۔ مطلب یہ ہی کہ مرنے پر بھی شعلۂ عشق باقی ہی ۱۲

سلہ مفلس لوگ اپنی گذشتہ امارت پر ناز کیا کرتے ہین۔ اسی طرح مین اپنے داغہائے کہن کو یاد کرکے ناز کیا کرتا ہون۔ ۱۲

سلہ "خمیازہ کھینچے ہے بت بیداد فن ہنوز" یعنی شراب خون کی تمنا مین حالانکہ اب دل مین خون کا نشان بھی نہین ہی۔ اس شعر مین بیدادگر کی خونخواری کا ذکر ہی۔

حریف مطلب مشکل نہین فسون نیاز	سلہ	دعا قبول ہو یارب کہ عمر خضر دراز
نہو بہرزہ بیابان نورد وہم وجود	سلہ	ہنوز تیرے تصور مین ہی نشیب و فراز
وصال جلوہ تماشا ہی پر دماغ کہان	سلہ	کہ دیجئے آئینہ انتظار کو پرواز
ہر ایک ذرۂ عاشق ہی آفتاب پرست		گئی نہ خاک ہوئے پر ہوائے جلوۂ ناز
نہ پوچھ وسعت میخانۂ جنون غالب		جہان یہ کاسۂ گردون ہی ایک خاکانداز

۱ے کہتا ہے کہ کسی شکل مقصد کے حل ہونے مین تو عجز و نیاز نے کچھ کام نہ دیا ناچار اب یہی دعا مانگین گے کہ الٰہی خضر کی عمر دراز ہو۔ یعنی ایسی چیز طلب کرین گے جو پہلے ہی دی جا چکی ہو (یادگار غالب) خدا سے ازراہ طعن و شوخی کہتا ہے کہ اور کوئی دعا قبول تو نہ ہوئی اسی کو قبول کر ۱۲ (یادگار غالب)

۲ے یہ ہرزہ یعنی بیکار۔ تیرے تصور مین نشیب و فراز ہین۔ یعنی تیرا تصور ناتمام اور قاصر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وحدت وجود کا عقیدہ اختیار کرنا چاہئیے تاکہ وجود اشیاء عالم کے متعلق تمام اوہام سے نجات حاصل ہو جائے۔

۳ے جلوہ تماشا ترکیب فارسی۔ پرداز معنی صیقل ۱۲
کہتا ہے کہ انتظار کے بعد جلوۂ وصل ممکن ہے لیکن انتظار کی طاقت کس کو ہے۔ ۱۲

۴ے خاک انداز وہ ظرف جس مین مکان کا کوڑا کرکٹ جمع کر کے پھینکا جائے ۱۲

وسعت سعی کرم دیکھ کہ سرتا سر خاک	۱ے	گذرے ہے آبلہ پا ابر گہربار ہنوز
یک قلم کاغذ آتش زدہ ہے صفحۂ دشت	۲ے	نقش پا مین ہے تپ گرمی رفتار ہنوز

۱ے کرمون کی کوشش کرم کی وسعت کو دیکھ کہ تمام زمین پر ابر آبلہ پائی کی حالت مین بھی گہرباری کرتا گذرتا ہے۔ قطرات باران کی بنا پر ابر کو آبلہ پا کہا۔ ظاہر یہ کرتا ہے کہ سعی کرم مین اسکے پانون مین آبلے پڑ گئے ہین پھر بھی وہ مقتضائے شان کرم بدستور اپنے کام مین مشغول ہے

۲ے ہمارے نقش قدم مین گرمی رفتار کا بخار ہنوز باقی ہے جس سے صفحۂ دشت یکسر کاغذ آتش زدہ کے مانند جل رہا ہے (وثوق صراحت۔ از جناب والہ دکنی)

کیونکر اُس بت سے رکھون جان عزیز	۱ے	کیا نہین ہے مجھے ایمان عزیز
دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے	۲ے	ہے ترے تیر کا پیکان عزیز
تاب لائے ہی بنے گی غالب		واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

۱ے یعنی جان نثاری عین ایمان ہے یا یہ کہ وہ بت میرا ایمان ہے پس جان ایمان پر سے قربان ۱۲

۲ے "پہ نہ نکلا دل سے" یعنی فراموش نہوا۔ اور اسکی محبت ہنوز دل مین باقی ہے ۱۲

نہ گل نغمہ ہون نہ پردۂ ساز		مین ہون اپنی شکست کی آواز

تو اور آرائشِ خمِ کاکل	لہ	مین اور اندیشہاے دور دراز
لاف تمکین فریب سادہ دلی	سے	ہم ہین اور راز ہاے سینہ گداز
ہون گرفتارِ الفتِ صیاد		ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز
وہ بھی دن ہو کہ اُس ستمگر سے		ناز کھینچون بجاے حسرتِ ناز
نہین دل مین مرے وہ قطرۂ خون		جس سے مژگان ہوئی نہو گلباز
اے ترا غمزہ یک قلم انگیز		اے ترا ظلم سر بسر انداز
تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو		ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز
مجھکو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا		مین غریب اور تو غریب نواز

اسد اللہ خان تمام ہوا
اے دریغا وہ رندِ شاہد باز

لہ اندیشہاے دور دراز مثلاً یہ اندیشہ کہ تیری آرایش میرے کمال محبت سے بدگمانی کے باعث سے ہے یعنی تو یہ سمجھتا ہے کہ مجھے گرفتار وفا رکھنے کے لیئے ہنوز آرائش ظاہری کی ضرورت باقی ہے حالانکہ میری محبت اس سے مستغنی ہے۔ ۱۲

سے مطلب یہ ہو کہ ہم پرنہاے سادہ دلی ابھی تک یہی سمجھ جاتے ہین کہ عشق مین دعوے صبر و تمکین کا نباہنا ممکن ہو حالانکہ ایسے رازہاے سینہ گداز کے ہوتے ہوے تمکین و وقار کا باقی رہنا بہت مشکل ہو۔ ۱۲ لاف بمعنی ادعا۔

ردیف ”س“

مژدہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے	لہ	دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس
جگرِ تشنۂ آزار تسلی نہ ہوا	سے	جوے خون ہمنے بہائی بن ہر خار کے پاس
مُند گئین کھولتے ہی کھولتے آنکھین ہے ہے		خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس
مین بھی رک رک کے نہ مرتا جو زبان کے بدلے		دشنہ اک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس
دہنِ شیر مین جا بیٹھیے لیکن اے دل		نہ کھڑے ہوجیے خوبانِ دل آزار کے پاس

دیکھ کر تجھ کو چمن بسکہ نمو کرتا ہے	خود بخود پہونچے ہے گل گوشۂ دستار کے پاس

مرگیا پھوڑ کے سر غالبِ وحشی ہے ہے
بیٹھنا اُس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

سلہ دام یعنی دوسرا خیالی دام جو اس غرض سے رکھا جاتا ہے کہ آزاد طائر بھی آکر گرفتار ہو جائیں
سلہ تشنہ آزار یعنی خواہشمند آزار یعنی ایذا دوست۔ تسلی نہوا۔ ترجمہ تسلی نشد یعنی تسکین نہ ہوئی ایک ایک خار کے پاس پائے نگار سے خون کی ندیاں بہ گئیں اس پر بھی میری ایذا دوست جگر کی تسکین نہ ہوئی۔

ردیف "ش"

نہ لیوے گر خسِ جوہر طراوت سبزۂ خط سے فروغِ حسن سے ہوتی ہے حل مشکل عاشق	لگا دے خانۂ آئینہ میں روئے نگار آتش نہ نکلے شمع کے پاسے نکالے گر نہ خار آتش

روے یار کے فروغِ حسن کا ذکر کرتا ہے کہ اگر جوہر آئینہ (جسے خس جوہر کہا) سبزۂ خط سے طراوت نہ حاصل کرے تو یقیناً خانۂ آئینہ میں آگ لگا دے ۱۲
جوہر کی صورت خس سے مشابہ ہوتی ہے۔
سلہ (نثر) فروغِ حسن سے عاشق کی مشکل حل ہوتی ہے (مثلاً دیکھو کہ) اگر آتش پائے شمع سے خار نکالے تو کبھی (وہ خار نہ نکلے (یہ اس شعر کی نثر ہوئی)
آتش کو فروغِ حسن سے، شمع کو عاشق سے اور رشتۂ شمع کو خار شمع سے مشابہ کیا ہے۔
جب موم بتی روشن ہوتی ہے تو رشتۂ شمع جل کر (گویا) پائے شمع سے نکل جاتا ہے یعنی آتش سے شمع کی مشکل حل ہوتی ہے۔ یا مطابق تشبیہات مذکورۂ بالا۔ فروغِ حسن سے حل مشکل عاشق ہوتی ہے۔ ۱۲

ردیف "ع"

جادۂ رہ خور کو وقتِ شام ہی تارِ شعاع ؎۱ چرخ وا کرتا ہی ماہِ نو سے آغوشِ وداع

؎۱ آفتاب کے لیئے شام کے وقت تارِ شعاع کو جادۂ راہ قرار دیا اور ماہ نو کو آغوش وداع یعنے شام کے وقت آفتاب آمادۂ سفر ہے اور آسمان اسے رخصت کرنے کے لیے تیار۔

رخِ نگار سے ہے سوزِ جاودانی شمع ؎۱ ہوئی ہے آتشِ گل آبِ زندگانی شمع

زبانِ اہلِ زبان مین ہے مرگ خاموشی ؎۲ یہ بات بزم مین روشن ہوئی زبانی شمع

کرے ہے صرف بایماے شعلہ قصہ تمام بطرزِ اہلِ فنا ہے فسانہ خوانی شمع

غم اس کو حسرتِ پروانہ کا ہے ای شعلہ ؎۳ ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع

ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے بجلوہ ریزی باد و بہ پرفشانی شمع

نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ ؎۴ شگفتگی ہے شہیدِ گلِ خزانی شمع

جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھکو
نہ کیون ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانی شمع

؎۱ رخِ نگار کو گل سے مشابہ کیا اور چونکہ اسی کے سبب سے شمع کو سوزِ جاودانی ملا اس لیے آتشِ گل کو شمع کے لیئے آبِ حیات حیات قرار دیا کیونکہ شمع اسیوقت تک زندہ سمجھی جاتی ہی جبتک کہ وہ نہ بجھی

؎۲ یہ بات یعنی یہ کہ اہل زبان کے محاورے مین خاموشی سے مراد ہی۔ روشن ہوئی یعنی ظاہر اور ثابت ہوئی۔ شمع کی رعایت سے البتہ اہل زبان" اور "روشن ہوئی" خوب اسے ہین شمع کا خاموش ہوجانا یہی اس کا فنا ہوجانا ہے۔ اس لیے گویا وہ بزبانِ حال کہہ رہی ہے کہ خاموشی سے مرگ مراد ہی۔ ۱۲

؎۳ شعلۂ شمع کے لرزنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسرت پروانہ کے غم سے شمع ناتوان ہوگئی ہے ۱۲

ﮯ اہتزاز یعنی جنبش سر در رہ جلوہ ریزی و بہ پرفشانی مین بائے تشبیہی ہے یعنی جسطرح ہوا کی جلوہ ریزی سے شعلۂ شمع کو جنبش ہوتی ہے اسی طرح تیرے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے ۱۲

ﮯ شہید یعنی کشتہ۔ خزانی۔ خزان زدہ۔ گویا غم عشق کے پژمردہ داغ مین بھی ایسی بہار ہے کہ اُس پر شگفتگی مٹی ہوئی ہے ۱۲

ﮯ بدگمانی یعنی یہ کہ شاید شمع بھی میری رقیب ہے اور یار پر عاشق ہے تبھی تو وہ مجھ کو دیکھکر جل رہی ہے ۱۲

ردیف "ف"

بیم رقیب سے نہین کرتے وداع ہوش جلتا ہے دل کہ کیون نہ ہم اکبار جل گئے	ﮯ	مجبوریان تلک ہوئے اے اختیار حیف اے ناتمامی نفس شعلہ بار حیف

ﮯ نہین کرتے وداع ہوش کیونکہ اس سے راز محبت فاش ہو جائے گا ۱۲

ردیف "ک"

زخم پر چھڑکین کہان طفلان بے پروا نمک گرد راہ یار ہے سامان ناز زخم دل مجھکو ارزانی رہے تجھکو مبارک ہوجیو شور جولان تھا کنار بحر پر کس کا کہ آج داد دیتا ہے مرے زخم جگر کی واہ واہ چھوڑ کر جانا تن مجروح عاشق حیف ہے غیر کی منت نہ کھینچونگا پئے سر درد	ﮯ ﮯ	کیا مزہ ہوتا اگر پتھر مین بھی ہوتا نمک ورنہ ہوتا ہے جہان مین کسقدر پیدا نمک نالۂ بلبل کا درد اور خندۂ گل کا نمک گرد ساحل ہے بزخم موجۂ دریا نمک یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جسجا نمک دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگین ہین اعضا نمک زخم مثل خندۂ قاتل ہے سرتا پا نمک

یاد ہین غالب تجھے وہ دن کہ وجد ذوق مین
زخم سے گرتا تو مین پلکون سے چنتا تھا نمک

سلہ یون تو دنیا مین نمک بہت پیدا ہوتا ہو۔ لیکن ہم کو اس سے کیا بیان تو زخم دل کا سرمایۂ نازش راہ یار کی گرد ہی۔ ۱۲

سلہ لف ونشر مرتب ہو مجھ کو نالۂ بلبل کا درد اور تجھ کو خندۂ گل کا نمک مبارک ہو۔

سلہ دامن یار کے جولان پر شور کے اثر سے گرد ساحل نمک بنکر موج دریا کے زخم رشک پر نمک افشانی کر رہی ہی ۱۲ رشک یہ کہ دریا کے جوش وخروش کی اُس کے مقابلہ مین کچھ ہستی نہ رہی۔ ۱۲

آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک		کون جیتا ہو تری زلف کے سر ہونے تک
دام ہر موج مین ہو حلقۂ صد کام نہنگ		دیکھین کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک
عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب		دل کا کیا رنگ کرون خون جگر ہونے تک
ہمنے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن		خاک ہوجائینگے ہم تم کو خبر ہونے تک
پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم		مین بھی ہون ایک عنایت کی نظر ہونے تک
یک نظر بیش نہین فرصت ہستی غافل	سلہ	گرمی بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ مین جلتی ہے سحر ہونے تک

سلہ ذوق سے کیا اعتبار ہستی ناپایدار کا	ہنگامہ ہو برق کی کہ تبسم شرار کا

گ

ردیف گ

گر تجھ کو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ	سلہ	یعنے بغیر یک دل بے مدعا نہ مانگ
آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد	سلہ	مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

سلہ یعنی دل بے مدعا کے علاوہ اور کسی شے کے حاصل کرنے کی دعا نہ مانگ ۱۲

سلہ اسی مضمون کا ایک دوسرا شعر ہے۔

ناکردہ گناہون کی بھی حسرت کی ملے داد	یارب اگر ان کردہ گناہون کی سزا ہی

ردیف "ل"

ہے کسقدر ہلاک فریبِ وفاے گل ۱
بلبل کے کاروبار پہ ہین خندہ ہاے گل

آزادیِ نسیم مبارک کہ ہر طرف ۲
ٹوٹے پڑے ہین حلقۂ دامِ ہواے گل

جو تھا سو موجِ رنگ کے دھوکے مین مر گیا ۳
اے واے نالۂ لبِ خونین نواے گل

خوش حال اُس حریفِ سیہ مست کا کہ جو
رکھتا ہو مثلِ سایۂ گل سر بپاے گل

ایجاد کرتی ہے اُسے تیرے لیے بہار ۴
میرا رقیب ہے نفسِ عطر ساے گل

شرمندہ رکھتے ہین مجھے بادِ بہار سے
میناے بے شراب و دلِ بے ہواے گل

سطوت سے تیرے جلوۂ حسنِ غیور کی ۵
خون ہے مری نگاہ مین رنگِ اداے گل

تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آجتک ۶
بے اختیار دوڑے ہے گل در قفاے گل

غالب مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو ۷
جسکا خیال ہے گلِ جیبِ قباے گل

---

۱ پھول بلبل کی سادگی اور کشتۂ فریبِ وفا ہونے پر خندہ زن ہین ۱۲

۲ غنچۂ گل کے دام مین بوے گل گرفتار تھی۔ اب گل کے شگفتہ ہونے پر وہ حلقۂ دام شکست ہو گیا اب نسیم پرواز بوے گل کو آزادی مبارک ہو۔ ۱۲

۳ لوگ موجِ رنگ کے دھوکے مین رہے حالانکہ درحقیقت وہ گل کی نواے خونین اور نالۂ خونچکان تھا۔ ۱۲

۴ تیرا رقیب ہے کیونکہ بہار پھولون کی اسی لیے ایجاد کرتی ہے کہ وہ تیرے گلے کا ہار ہون یہ موجب رشک ہے ۱۲

۵ تیرے حسن غیور کے رعب سے رنگِ گل کی ادا میری نگاہ مین خون نظر آتی ہے یعنی کسی طور پر پسندیدہ نہین ہے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تیرے حسن کی غیرت اس امر کو کبھی گوارا نہ کرے گی کہ اُسکے مقابلے مین مجھ کو کسی اور کی ادا اچھی معلوم ہو۔ ۱۲

۶ یعنی تیرے جلوے کا تماشا دیکھنے کے لیے ایک پھول دوسرے کے بعد دوڑتا چلا آتا ہے۔ ۱۲

۷ آرزو ہے "آرزو دارم" محاورۂ فارسی ہے۔ اسی لحاظ سے "ہم آغوشی کی آرزو" نہ کہا بلکہ "از ... " کا ترجمہ "اس سے ہم آغوشی آرزو ہے" لکھا۔ ۱۲

ردیف "م"

غم نہین ہوتا ہو آزادون کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہین روشن شمع ماتم خانہ ہم ۱

محفلین برہم کرے ہو گنجفہ باز خیال
ہین ورق گردانی نیرنگ یک بتخانہ ہم ۲

باوجود یک جہان ہنگامہ پیدائی نہین
ہین چراغان شبستان دل پروانہ ہم

ضعف سے ہے نے قناعت سے یہ ترک جستجو
ہین وبال تکیہ گاہ ہمت مردانہ ہم ۳

دائم الحبس اس مین ہین لاکھون تمنائین اسد
جانتے ہین سینۂ پُرخون کو زندان خانہ ہم

۱ "برق سے کرتے ہین روشن شمع ماتم خانہ ہم" اور ظاہر ہے کہ برق کی چمک ایک دم بھر سے زیادہ نہین ہوتی۔ اپنے کو آزاد قرار دیکر اس بیان سے یہ ثابت کرتا ہو کہ "غم نہین ہوتا ہو آزادون کو بیش از یک نفس" ۱۲

۲ ورق گردانی یعنی ورق گردانندہ۔ گنجفہ اور ورق مین رعایت لفظی ہے ۱۲۔ مطلب یہ ہو کہ خیال اگلی صحبتہاے برہم کی یاد کو دل مین تازہ رکھتا ہو ۱۲۔

۳ یک جہان ہنگامہ یعنی جوش ہنگامہ۔ پیدائی یعنی ظہور۔ مصرعۂ ثانی بیان مصرعۂ اول کی تشریح ہو "چراغان شبستان پروانہ" کے مانند ہماری ہستی کا بھی باوجود این ہمہ دشواری پتہ نہین ہو

۴ ہمنے جو جستجو چھوڑ دی ہو یہ قناعت کی بنا پر نہین ہو بلکہ ضعف کی وجہ سے ہو اسلیئے "ہین وبال الخ"

بنالہ حاصل دلبستگی فراہم کر
متاع خانۂ زنجیر جز صدا معلوم ۱

۱ دلبستگی یعنی تعلق خاطر جسکو زنجیر سے مشابہ کیا ہو اور کہتا ہو کہ جسطرح خانۂ زنجیر کی دولت اس کی صدا یا جھنکار کے سوا اور کچھ نہین ہوتی، اسی طرح تعلق خاطر کی متاع بھی نالے کے سوا اور کیا ہو سکتی ہو پس اسی کو فراہم کرنا چاہیئے۔ یعنی نالہ کشی اختیار کرنا چاہیئے۔

مجھکو دیار غیر مین مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدانے مری بیکسی کی شرم ۱

وہ حلقہاے زلف کمین مین ہین اے خدا
رکھ لیجیو میرے دعوے وارستگی کی شرم

۱ "رکھ لی مرے خدانے مری بیکسی کی شرم" کیونکہ دیار غیر مین میرا کوئی آشنا نہ تھا اسلیے اگر وہان بیکسی اور کس مپرسی کی حالت مین موت آئی تو کچھ زیادہ ذلت نہ ہوئی یا یہ کہ وطن سے دور

مارے جانے مین بیکسی کی شرم رہ گئی کیونکہ اگر وطن مین مارا جاتا تو بیکسی کی تکمیل نہوتی ۱۲

ردیف "ن"

لین وام بخت خفتہ سے یک خواب خوش ولے — غالب یہ خوف ہے کہ کہان سے ادا کرون

وہ فراق اور وہ وصال کہان — وہ شب و روز و ماہ و سال کہان

فرصت کاروبار شوق کسے — ذوق نظارۂ جمال کہان

دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا — شور سودائے خط و خال کہان

تھی وہ اک شخص کے تصور سے — اب وہ رعنائی خیال کہان

ایسا آسان نہین لہو رونا — دل مین طاقت جگر مین حال کہان

ہمسے چھوٹا قمار خانۂ عشق — وان جو جاوین گرہ مین مال کہان

فکر دنیا مین سر کھپاتا ہون — مین کہان اور یہ وبال کہان

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب — وہ عناصر مین اعتدال کہان

کی وفا ہمسے تو غیر اس کو جفا کہتے ہین — ہوتی آئی ہے کہ اچھون کو برا کہتے ہین

آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے — کہنے جاتے ہین تو پر دیکھیے کیا کہتے ہین

اگلے وقتون کے ہین یہ لوگ انھین کچھ نہ کہو — جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہین

دلمین آجاے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے — اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہین

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود — قبلے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہین

پاے افگار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے — خار رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہین

اک شرر دلمین ہے اُس سے کوئی گھبرائیگا کیا — آگ مطلوب ہے ہمکو جو ہوا کہتے ہین

دیکھیے لاتی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ — اُسکی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہین

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہوین شاید — مر گیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہین

۱ مہر گیا ایک قسم کی بوٹی ہے جسکی جڑ بشکل انسانی ہوتی ہے۔ مشہور ہے کہ جو شخص اُسے اپنے پاس رکھتا ہے اُس پر لوگ مہربان ہو جاتے ہین۔ یہان خار راہ کو مہر گیا اسلیئے کہا کہ خار سے پیر زخمی ہوا۔ اور پاے نگار پر محبوب کو رحم آیا۔ ۱۲

۲ ہم لوگ کہ ہوا سے آگ مراد لیتے ہین۔ بھلا ہم دکے ایک شرر سے کیا گھبرائین گے ۱۲

۳ شیفتہ۔ نواب مصطفےٰ خان شیفتہ شاگرد مومن۔ وحشت غلام علیخان وحشت شاگرد مومن۔

آبرو کیا خاک اُس گل کی کہ گلشن مین نہین	۱	ہے گریبان ننگ پیراہن جو دامن مین نہین
ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن مین نہین		رنگ ہو کر اُڑ گیا جو خون کہ دامن مین نہین
ہو گئے ہین جمع اجزاے نگاہِ آفتاب		ذرے اُسکے گھر کی دیوارونکے روزن مین نہین
کیا کہون تاریکیِ زندانِ غم اندھیر ہے		پنبہ نورِ صبح سے کم جسکے روزن مین نہین
رونق ہستی ہے عشق خانہ ویران ساز سے		انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن مین نہین
زخم سلوانے سے مجھپر چارہ جوئی کا ہے طعن	۳	غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن مین نہین
بسکہ ہین ہم اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے		جلوۂ گل کے سوا گرد اپنے مدفن مین نہین
قطرہ قطرہ اک ہیولیٰ ہے نئے ناسور کا		خون بھی ذوق درد سے فارغ مرے تن مین نہین
لے گئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مری	۴	موج مے کی آج رگ مینا کی گردن مین نہین
ہو فشار ضعف مین کیا ناتوانی کی نمود	۵	قد کے جھکنے کی بھی گنجایش مرے تن مین نہین

تھی وطن مین شان کیا غالب کہ ہو غربت مین قدر
بے تکلف ہون وہ مشت خس کہ گلخن مین نہین

۱ جو گریبان (بعلت چاک گریبان لٹک کر) دامن مین نہو وہ ننگ پیراہن ہے اور اس گل کی مانند ہے جو گلشن مین نہو گویا کہ مذہب عشق مین گریبان کی اصلی اور مناسب جگہ چاک ہوکر دامن ہی کے پاس قرار پائی۔

۲ روزن دیوار سے آفتاب کی جو شعاعین مکان یار مین آتی ہین اُن کی روشنی مین جو بہت سے ذرے نظر آتے ہین اُنکی نسبت کہتا ہے کہ گویا اجزاے نگاہ آفتاب کے جو روے یار کی زیارت کا مشتاق ہے۔

۳ یعنی ہمارا زخم کا سلوانا بغرض چارہ جوئی نہین ہے بلکہ اس لیے ہے کہ ہمین زخم سوزن کی لذت حاصل ہو۔ ۱۲

۷؎ ساقی شراب پلانے مین بڑی فیاضی سے کام لیتا تھا اور اس پر مغرور تھا لیکن مین ایسا قلزم آشام تھا کہ میری بلا نوشی نے ساقی کی نخوت مٹا دی اور شیشہ کی شراب سب ختم ہو گئی ۱۲ گردن مینا مین موج مے کی رگ "نخوت" کی رعایت سے لایا ہے کیونکہ رگ گردن کو غرور سے تعبیر کیا کرتے ہین۔ ۱۲

۸؎ یعنی ضعف چارون طرف سے قد پر مستولی ہے پھر قد کیونکر ادھر کدھر جھکے۔

ضعف کے مضمون مین اکثر شعرا نے نہایت نازک اور لطیف مبالغہ آمیز مضامین سے کام لیا ہے۔ مومن کہتا ہے ؎

اب تو مر جانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو		ضعف کے باعث کہان دنیا سے اٹھا جائے ہے

ایک اور فارسی شاعر کہتا ہے ؎

ز ضعف تن عجب حالیست بیمار محبت را		گر تواند کشید از ناتوانی بار صحت را
عہدے سے مدح ناز کے باہر نہ آ سکا	۱؎	گر اک ادا ہو تو اُسے اپنی قضا کہون
حلقے ہین چشمہاے کشادہ بسوے دل	۲؎	ہر تار زلف کو نگہ سرمہ سا کہون
مین اور صد ہزار نواے جگر خراش		تو اور ایک وہ نشنیدن کہ کیا کہون
ظالم مرے گمان سے مجھے منفعل نہ چاہ	۳؎	ہے ہے خدا نکردہ تجھے بیوفا کہون

۱؎ یعنی اگر صرف ایک ادا ہو تو مین اسے اپنی قضا کہون (یعنی اسطور پر اسکی مدح کرون، لیکن یہان تو ہزارون ادائین ہین۔ ۱۲۔ ادا اور قضا مین رعایت لفظی ہے۔

۲؎ حلقے یعنی زلف کے حلقے جو چشمہاے کشادہ سے مشابہ ہین اور تار ہاے زلف گویا اُن آنکھون کی سرمہ سا نگاہین ہین ۱۲

۳؎ مجھکو میرے گمان سے شرمندہ نہ کر بھلا مین اور تجھکو بیوفا خیال کرون ۱۲

مہربان ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت		مین گیا وقت نہین ہون کہ پھر آ بھی نہ سکون
ضعف مین طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے		بات کچھ سر تو نہین ہے کہ اٹھا بھی نہ سکون
زہر ملتا ہی نہین مجھکو ستمگر ورنہ		کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکون
ہمسے کھل جاؤ بوقت مے پرستی ایکدن		ورنہ ہم چھیڑین گے رکھکر عذر مستی ایکدن
غرہ اوج بناے عالم امکان نہ ہو	۱؎	اِس بلندی کے نصیبون مین ہے پستی ایکدن

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہان — رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن

نغمہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے — بے صدا ہو جائیگا یہ ساز ہستی ایکدن

دھول دھپّا اس سراپا ناز کا شیوہ نہین
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایکدن

۱ عالم امکان یعنی دنیا، یہ "عرصۂ اوج بنا ہے عالم امکان نہ ہو" کیونکہ ایک روز اس عالم امکان یعنی دنیا کا بھی فنا ہونا یقینی ہے۔ ۱۲

ہم پر جفا سے ترک وفا کا گمان نہین — ۱ — اِک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحان نہین

کس منھ سے شکر کیجیے اس لطف خاص کا — ۲ — پرسش ہے اور پائے سخن درمیان نہین

ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز — ۳ — نامہربان نہین ہے اگر مہربان نہین

بوسہ نہین نہ دیجیے دشنام ہی سہی — ۴ — آخر زبان تو رکھتے ہو تم گر دہان نہین

ہرچند جانگدازی قہر و عتاب ہے — ۵ — ہرچند پشت گرمی تاب و توان نہین

جان مطرب ترانۂ ہل من مزید ہے — لب پردہ سنج زمزمۂ الامان نہین

خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم — دلمین چھری چبھو مژہ گر خونچکان نہین

ہے ننگ سینہ دل اگر آتشکدہ نہو — ہے عار دل نفس اگر آذر فشان نہین

نقصان نہین جنون سے بلا سے ہو گھر خراب — سو گز زمین کے بدلے بیابان گران نہین

کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت مین — گویا زمین پہ سجدۂ بت کا نشان نہین

پاتا ہون اس سے داد کچھ اپنے کلام کی — ۶ — روح القدس اگرچہ مرا ہمزبان نہین

جان ہے بہائے بوسہ ولے کیون کہے ابھی
غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جان نہین

۱ یعنی اُن کی جفائین صرف چھیڑنے کے لیے ہین امتحان وفا کی غرض سے نہین ہین کیونکہ ہماری وفاداری پر اُن کو اسقدر اعتماد ہے کہ ہماری نسبت وہ ترک وفا کا گمان نہین کرسکتے۔ ۱۲

۲ لطف خاص یعنی پرسش پنہان جو گفتگو سے مستغنی ہو یعنی جو انداز و اشارات سے ادا ہو۔ ۱۲

۳ ہم کو ستم عزیز ہے اور وہ ستم کرتا ہے پس ثابت ہوا کہ وہ ہم کو عزیز رکھتا ہے کیونکہ ہم کو وہی

وہی چیز دیتا ہی جسکو ہم عزیز رکھتے ہین - ۱۲

۵۴ ہرچند اس کا قہر جانگداز ہی - اور ہم مین طاقت برداشت نہین - اس پر بھی ہم اس کے قہر سے پناہ نہین مانگتے بلکہ عتاب مزید کے خواہان ہین - ۱۲

۵۵ روح القدس یعنی حضرت جبریل - اگرچہ وہ میرے برابر فصیح نہین مین (معاذاللہ) تاہم تپاتا ہون - اس سے الخ "

۵۶ " دے کیون " ابھی یعنی ابھی نہ کہے گا نیمجان ہونے کی حالت مین کہے تو کہے جب یہ بہانہ ہو سکے گا کہ بہاے بوسہ جان ہی نہ نیمجان ۱۲

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہین ‖ ایک چکر ہی مرے پانون مین زنجیر نہین
شوق اُس دشت مین دوڑاے ہی مجھ کو جہان ‖ ۱ ‖ جادہ غیر از نگہ دیدہ تصویر نہین
حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے ‖ ۲ ‖ جادۂ راہ وفا جز دم شمشیر نہین
رنج نومیدی جاوید گوارا رہیو ‖ ۳ ‖ خوش ہون گر نالہ زبونی کش تاثیر نہین
سر کھجاتا ہی جہان زخم سر اچھا ہو جاے ‖ ۴ ‖ لذت سنگ باندازۂ تقریر نہین
جب کرم رخصت بیباکی و گستاخی دے ‖ ۵ ‖ کوئی تقصیر بجز خجلت تقصیر نہین

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہی جو معتقد میر نہین

۱ جادہ غیر از نگہ دیدۂ تصویر نہین " یعنی معدوم ہے جسطرح دیدۂ تصویر کی نگاہ معدوم ہوتی ہی - ۱۲

یا یہ کہ شوق مجھ کو اس دشت مین لیے جاتا ہی جہان ہر شخص مثل تصویر خود حیرت ہو جاتا ہی - ۱۲

۲ افسوس کرتا ہی کہ جادۂ راہ وفا جز دم شمشیر نہین ــــ " کیونکہ دم شمشیر دم بھر مین خاتمہ کر دیتی ہی - اور لذت آزار کی حسرت رہ جاتی ہی - ۱۲

۳ میرا نالہ تاثیر کا احسان لینے کی ذلت پسند نہین کرتا - بس " رنج نومیدی جاوید " ہی گوارا رہے تو خوب ہے ۱۲

۵۴ بانداز تقریر نہیں یعنی بیان سے باہر ہے یا بیان نہیں ہو سکتی۔۱۲
۵۵ خجلت تقصیر یعنی ارتکاب قصور سے جھجکنا۔ جب کرم یار گستاخی کی اجازت دے اسوقت جھجکنا بہت بڑا قصور ہے۔

مت مردمک دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں | مطلع ۱ | ہیں جمع سویدائے دل چشم میں آہیں

۱ پتلی کو آنکھ کے دل کا سویدا قرار دیا۔ اور نگاہوں کو اُس دل کی آہوں سے مشابہ کیا۔۱۲

برشگال دیدۂ عاشق ہے دیکھا چاہیے
کھل گئی مانند گل سو جا سے دیوار چمن
الفت گل سے غلط ہے دعوے وارستگی
سرو ہے باوصف آزادی گرفتار چمن

عشق تاثیر سے نومید نہیں | ۱ | جان سپاری شجر بید نہیں
سلطنت دست بدست آئی ہے | ۵۲ | جام مے خاتم جمشید نہیں
ہے تجلی تری سامان وجود | ۵۳ | ذرہ بے پرتو خورشید نہیں
راز معشوق نہ رسوا ہو جائے | | ورنہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں
گردش رنگ طرب سے ڈر ہے | ۵۴ | غم محرومی جاوید نہیں

کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

۱ کہتا ہے کہ عشق تاثیر سے ناامید نہیں ہے کیونکہ جانبازی و جان سپاری کچھ شجر بید نہیں ہے جسکا کبھی پھل نہ ملے ۱۲ مطلب یہ ہے کہ عشق میں جانبازی و جان فشانی کا اثر کبھی نہ کبھی ضرور ہوگا۔
۵۲ "سلطنت دست بدست آئی ہے" یعنی جام شراب کی سلطنت جمشید سے رندوں کو واسطہ بواسطہ پہونچی ہے۔ "جام مے خاتم جمشید نہیں" جو صرف جمشید کے پاس ہے اور اسی کے ساتھ مخصوص ہو۔
۵۳ جسطرح ذرے میں پرتو خورشید نظر آتا ہے اُسی طرح تمام موجودات عالم تیری ذات کے مظہر ہیں۔۱۲
۵۴ ہم کو محرومی جاوید کا غم نہیں ہے کیونکہ یہ طرب سے بہتر ہے جسمیں گردش رنگ کا خوف لگا رہتا ہے۔
یعنی چونکہ راحت کے بعد رنج نہایت جان گداز ہوتا ہے اس لحاظ سے طرب سے محرومی جاوید ہی بہتر ہے۔۱۲ یا یہ کہ گردش رنگ طرب سے اس لیے ڈر ہے کہ محرومی کی حالت میں طرب کی جھلک سے رنج محرومی

کا احساس اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے - ۱۲

جہان تیرا نقش قدم دیکھتے ہین — ف۱ — خیابان خیابان ارم دیکھتے ہین
دل آشفتگان خال کنج دہن کے — سویدا مین سیر عدم دیکھتے ہین
ترے سرو قامت سے اک قد آدم — ف۲ — قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہین
تماشا کر اے محو آئینہ داری — ف۳ — تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہین
سراغ تف نالہ لے داغ دل سے — ف۴ — کہ شب رو کا نقش قدم دیکھتے ہین

بنا کر فقیرون کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہین

ف۱ خیابان خیابان یعنی کثرت - ۱۲

ف۲ اُسکے ایک معنی تو یہی ہین کہ تیرے سرو قامت سے فتنۂ قیامت کمتر ہے - اور دوسرے یہ معنی بھی ہین کہ تیرا قد اسی مین سے بنوایا گیا ہے اس لیے وہ ایک قد آدم کم ہو گیا ہے (یادگار غالب) یا یہ کہ فتنۂ قیامت و فتنۂ قامت دونون موجود فی التصور ہین اور اس لحاظ سے برابر ہین لیکن باعتبار وجود ظاہری سرو قامت یار سے فتنۂ قیامت بقدر یک قد آدم کم ہے -

ف۳ تماشا کر - ترجمۂ تماشا کن یعنی دیکھ - دیوان غالب کے قدیم نسخے مین "تماشا کہ" لکھا ہے اس حالت مین بھی محاورۂ فارسی کے رُو سے "تماشا" سے "تماشا کر" ہی کا مفہوم پیدا ہوگا -

ف۴ نالۂ دل کو شب رو یا مسافر شب قرار دیا - اور داغ دل کو اُس کا نقش قدم - ۱۲

ملتی ہے خوے یار سے نار التہاب مین — ف۱ — کافر ہون گر نہ ملتی ہو راحت عذاب مین
کب سے ہون کیا بتاؤن جہان خراب مین — ف۲ — شبہائے ہجر کو بھی رکھون گر حساب مین
تا پھر نہ انتظار مین نیند آئے عمر بھر — آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب مین
قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھون — ف۳ — مین جانتا ہون جو وہ لکھین گے جواب مین
مجھ تک کب ان کی بزم مین آتا تھا دور جام — ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب مین
جو منکر وفا ہو فریب اس پہ کیا چلے — ف۴ — کیون بدگمان ہون دوست سے دشمن کے باب مین
مین مضطرب ہون وصل مین خوف رقیب سے — ف۵ — ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب مین

مین اور حظِ وصل خداساز بات ہے — جان نذر دینی بھول گیا اضطراب مین

۵۶ ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے — ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب مین

لاکھون لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا — لاکھون بناؤ ایک بگڑنا عتاب مین

وہ نالہ دل مین خس کے برابر جگہ نہ پائے — جس نالے سے شگاف پڑے آفتاب مین

وہ سحر مدعا طلبی مین نہ کام آئے — جس سحر سے سفینہ روان ہو سراب مین

غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہون روزِ ابر و شبِ ماہتاب مین

کل کے لیے کر آج نہ خسّت شراب مین — یہ سوءِ ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب مین

ہین آج کیون ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند — گستاخیِ فرشتہ ہماری جناب مین

۵۷ جان کیون نکلنے لگتی ہے تن سے دمِ سماع — گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب مین

رو مین ہے رخشِ عمر کہان دیکھیے تھمے — نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب مین

۵۸ اتنا ہی مجھکو اپنی حقیقت سے بُعد ہے — جتنا کہ وہمِ غیر سے ہون پیچ و تاب مین

۵۹ اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے — حیران ہون پھر مشاہدہ ہے کس حساب مین

ہے مشتمل نمودِ صور پر وجودِ بحر — یان کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب مین

۶۰ شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی — ہین کتنے بے حجاب کہ ہین یون حجاب مین

آرایشِ جمال سے فارغ نہین ہنوز — پیشِ نظر ہے آئینہ دایم نقاب مین

۶۱ ہے غیبِ غیب جسکو سمجھتے ہین ہم شہود — ہین خواب مین ہنوز جو جاگے ہین خواب مین

غالب ندیمِ دوست سے آتی ہے بوے دوست
مشغولِ حق ہون بندگیِ بوتراب مین

سلہ آگ چونکہ (باعتبار افروختگی) خوے یار سے مشابہ ہے اس لیے صرف اس تشابہ کی وجہ سے مجھکو عذاب نار مین راحت ملتی ہے۔ ۱۲

سٹہ شبہاے ہجر کی درازی کا ذکر کرتا ہے کہ اگر اُن کو بھی حساب مین رکھون تو معلوم نہین کہ میرا زمانۂ حیات کس قدر طویل ثابت ہو ۱۲

۵۳ میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں" یعنے میں جانتا ہوں کہ وہ کچھ نہ لکھیں گے مطلب یہ ہے کہ اگر اُن کی جانب سے کسی تحریر کے آنے کی امید ہوتی تو دوسرے خط کے لکھنے کے لیے اُس کا انتظار کیا جاتا۔ لیکن چونکہ مجھ کو خوب معلوم ہے کہ وہ کچھ نہ لکھیں گے۔ اس لیے جواب خط کا انتظار بیکار ہے قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں "

۵۴ مطلب یہ ہے کہ محبوب دشمن وفا ہے اُسپر کسی کا فریب محبت کارگر نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے میری بدگمانی فضول ہے کہ کہیں اُسپر دشمن یعنی رقیب کا فریب نہ چل گیا ہو۔ ۱۲

۵۵ وصل میں مجھکو رقیب کے آجانے کا کھٹکا لگا ہوا ہے یہی سبب میرے اضطراب کا ہے مگر تم کو یہ وہم ہے کہ میں کسی دوسرے محبوب سے چھپ کر آیا ہوں اسی لیے مضطرب ہوں۔ ۱۲

۵۶ بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ یوں ہے" تیوری چڑھی ہوئی ہے اندر نقاب کے" لیکن مرزا کے وقت کے مطبوعہ نسخے میں" ہے تیوری الخ" ہے۔

۵۷ تعجب کرتا ہے کہ وہ آواز تو جان بخش ہے پھر اُس کا یہ اثر کیسا ہے۔ ۱۲

۵۸ غیر سے یہاں ما سوی اللہ مراد ہے جو صوفیہ کے نزدیک معدوم ہے کیونکہ وہ وجود واجب کے سوا سب کو معدوم سمجھتے ہیں کہتا ہے جس قدر ما سوا کے وہم سے رشک ان پیچ و تاب میں رہتا ہوں اتنا ہی مجھے اپنی حقیقت یعنی وجود واجب سے بعد ہے (یادگار غالب)

۵۹ کیونکہ مشاہدہ شاہد و مشہود کے وجود کو علاحدہ علاحدہ چاہتا ہے۔ ۱۲

۶۰ اُن کا حجاب میں رہنا ہی اُن کی بے حجابی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ پردے میں رہ کر وہ اپنے سے نہیں شرماتے حالانکہ شرم حیا ایک ادائے ناز ہے اسکے یہ معنی ہیں کہ خود اپنی ذات سے بھی حیا آنے لگے ۱۲ یا یہ مطلب ہوگا کہ اُن کا حجاب کرنا بھی ایک طرح کی بے حجابی ہے ؎

چھپے جو مجھ سے تو کیا یہ بھی اک ادا نہ ہوئی
وہ چاہتے تھے نہ دیکھے کوئی ادا میری (حسرت موہانی)

۶۱ سالک کو تمام موجودات عالم میں حق ہی حق نظر آتا ہے اس کو شہود کہتے ہیں اور غیب الغیب سے مراد مرتبہ احدیت ذات ہے جو عقل و ادراک و بصیرت سے وراء الورا ہے۔ کہتا ہے جس کو ہم شہود سمجھے ہوئے ہیں وہ درحقیقت غیب الغیب ہے اور اس کو شہود سمجھنے میں ہماری ایسی مثال ہے جیسے کوئی خواب میں سمجھے کہ میں جاگتا ہوں پس گو وہ اپنے تئیں بیدار سمجھتا ہے مگر فی الحقیقت وہ ابھی خواب ہی میں ہے (یادگار غالب)

سلہ خدا کو دوست اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ندیم دوست قرار دیا ہے ۱۲

حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار
اے کاش جانتا نہ تری رہ گزر کو میں

ہے کیا جو کس کے باندھیے میری بلا ڈرے
کیا جانتا نہیں ہوں تمھاری کمر کو میں

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار
کیا پوجتا ہوں اُس بت بیداد گر کو میں

پھر بے خودی میں بھول گیا راہ کوے یار
جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا سلہ
سمجھا ہوں دل پذیر متاع ہنر کو میں

غالب خدا کرے کہ سوار سمند ناز
دیکھوں علی بہادر عالی گہر کو میں

سلہ یعنی اہل دہر متاع ہنر کے قدردان نہیں ہیں اور میں جو اپنے اوپر قیاس کر کے اہل دُنیا کو متاع ہنر کا قدردان سمجھ رہا ہوں یہ غلطی ہے۔

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں سلہ
غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

وعدۂ سیر گلستاں ہے خوشا طالع شوق
مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں

شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے عالم سلہ
لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلید تنک ظرفی منصور نہیں

حسرت اے ذوق خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی سلہ
عشق پر عربدہ کی گوں تن رنجور نہیں

میں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمھیں
کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو سلہ
تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

صاف دُردی کش پیمانۂ جم ہیں ہم لوگ
وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب
میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

سلہ غیر ذکر میرا بہ بدی کر رہا ہے حالانکہ یار کو برائی کے ساتھ بھی میرا ذکر سننا منظور نہین ہے اس لیے غیر کی بات" الخ

سلہ غالب دنیا کے موہوم ہونے کو بہ غلو بیان کرتا ہی کہتا ہی کہ لوگ کہتے ہین کہ عالم شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے اور اُن سے اُن کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جسطرح شاہد کی کمر نہین ہوتی اسی طرح سے وجود عالم بھی موہوم ہے لیکن ہم کو یہ بھی منظور نہین ہی۔ کیونکہ جب کہتے ہین کہ "عالم شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے" تو اگرچہ اس کے معنی یہی ہوتے ہین کہ عالم معدوم ہی لیکن "ہے" کا لفظ ہم ایک شے معدوم کے کسی طرح نہین استعمال کرنا چاہتے۔ ۱۲

سلہ شورش ہنگامہ عشق کے لیے قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن ہم نحیف ہین چونکہ ذرا بھی طاقت نہین باقی ہی۔ اس لیے ذوق خرابی کو مخاطب کرکے اظہار حسرت کرتا ہے۔ ۱۲

سلہ یعنی اگر تو لطف نہین کرتا نہ ظلم ہی کر بہرحال تغافل نہ کر۔ تو تغافل مین کسی رنگ سے معذور نہین" کسی رنگ سے یعنے تیرا شیوہ ستم ہے تغافل بھی ہم کو پسند نہین ہی۔ ۱۲

نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہین	سلہ	ہے تقاضائے جفا شکوہ بیداد نہین
عشق و مزدوری عشرت گہ خسرو کیا خوب		ہم کو تسلیم نکونامی فرہاد نہین
کم نہین وہ بھی خرابی مین پہ وسعت معلوم		دشت مین ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہین
اہل بینش کو ہے طوفان حوادث مکتب		لطمۂ موج کم از سیلی استاد نہین
وائے محرومی تسلیم و بدا حال وفا	سلہ	جانتا ہے کہ ہمین طاقت فریاد نہین
رنگ تمکین گل و لالہ پریشان کیون ہے	سلہ	گر چراغان سر رہگذر باد نہین
سبد گل کے تلے بند کرے ہے گلچین	سلہ	مژدہ اے مرغ کہ گلزار مین صیاد نہین
نفی سے کرتی ہی اثبات تراوش گویا	شہ	دی ہے جاے دہن اس کو دم ایجاد نہین
کم نہین جلوہ گری مین ترے کوچے سے بہشت		یہی نقشہ ہے ولے اسقدر آباد نہین

کہتے کس منھ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تم کو بے مہری یاران وطن یاد نہین

سلہ بہ حسرت کہتا ہی کہ نالہ سے بیداد یار کی شکایت منظور نہین ہے بلکہ تقاضائے جفا کے لیے

حُسن طلب ہی کہ جب وہ میری فریاد سُنے تو اُسے مجھ پر ظلم کرنا بھی یاد آجائے۔

٢؎ ہم اپنی خوے تسلیم و وفا کے سبب سے فریاد نہین کرتے لیکن وہ یہی سمجھتا ہی کہ ہماری خاموشی بیطاقتی و مجبوری کے باعث سے ہی پس وائے برحال تسلیم و وفا جو اپنی ضبط فریاد کی داد سے بکلی محروم ہین ١٢-

٣؎ اگر گل و لالہ "چراغان سر رہگذر باد نہین" تو اُنکا رنگ تمکین پریشان کیون ہی کہ دم بھر مین مٹ جاتا ہی ١٢

٤؎ "مژدہ اے مُرغ کہ گلزار مین صیاد نہین" جو مرغ کو قفس مین بند کردے گا ١٢-

٥؎ وہ ہر بات پر "نہین" کرتا ہی لیکن اس "نہین" کے کہنے سے اُس کے وجود دہن کا ثبوت ملتا ہی ١٢-

دونون جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا		یان آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کرین
تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے		تیرا پتہ نہ پائین تو ناچار کیا کرین
کیا شمع کے نہین ہین ہوا خواہ اہل بزم		ہو غم ہی جان گداز تو غمخوار کیا کرین
ہو گئی ہے غیر کی شیرین بیانی کارگر		عشق کا اس کو گمان ہم بے زبانون پر نہین
قیامت ہے کہ سُن لیلی کا دشت قیس مین آنا		تعجب سے وہ بولا یون بھی ہوتا ہے زمانے مین
دل نازک پہ اسکے رحم آتا ہے مجھے غالب		نہ کر سرگرم اُس کافر کو اُلفت آزمانے مین
دل لگا کر لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا		بارے اپنی بیکسی کی ہم نے پائی داد یان
ہین زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام	١؎	مہر گردون ہے چراغ رہگذار باد یان

١؎ زوال آمادہ آمادۂ زوال، مہر گردون مثل چراغ رہگذار باد ہے یعنی آمادۂ زوال ہی ١٢

یہ ہم جو ہجر مین دیوار و در کو دیکھتے ہین		کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہین
وہ آئے گھر مین ہمارے خدا کی قدرت ہے		کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہین
نظر لگے نہ کہین اُسکے دست و بازو کو		یہ لوگ کیون مرے زخم جگر کو دیکھتے ہین
ترے جواہر طرف کلہ کو کیا دیکھین	١؎	ہم اوج طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہین

١؎ اوج طالع لعل و گہر کیونکہ تیری کلاہ مین لگے ہوے ہین -

نہین کہ مجھکو قیامت کا اعتقاد نہین	١؎	شب فراق سے روز جزا زیاد نہین
کوئی کہے کہ شب مہ مین کیا بُرائی ہے		بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہین
جو آؤن سامنے اُن کے تو مرحبا نہ کہین		جو جاؤن وان سے کہین کو تو خیرباد نہین

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں	۲ کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں
علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب	گدائے کوچۂ مے خانہ نامراد نہیں
جہان میں ہو غم و شادی بہم ہمین کیا کام	دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں

تم ان کے وعدے کا ذکر اُن سے کیوں کرو غالب
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

۱ اس شعر کی ترکیب لفظی خوب ہے۔ کہتا ہے کہ قیامت کا مجھے اعتقاد ہے لیکن ساتھ ہی اسکے یہ بھی یقین ہے کہ وہ شب فراق سے زیادہ نہیں ہے۔ ۱۲
۲ یعنی مجھ کو وہ فتنہ و فساد سے تعبیر کرتے ہیں۔

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں		ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں
آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے	۱	ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں
تیری فرصت کے مقابل اے عمر		برق کو پابہ حنا باندھتے ہیں
قید ہستی سے رہائی معلوم	۲	اشک کو بے سروپا باندھتے ہیں
نشۂ رنگ سے ہے واشد گل	۳	مست کب بند قبا باندھتے ہیں
غلطیہائے مضامین مت پوچھ		لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں
اہل تدبیر کی واماندگیان		آبلون پر بھی حنا باندھتے ہیں

۴ سادہ پرکار ہیں خوبان غالب
ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں

۱ ہم جو آہ کرتے ہیں یہ گویا اپنی ہوا باندھتے ہیں ورنہ اثر آہ کی حقیقت [illegible]
۲ باندھتے ہیں۔ یعنی شعرا مضمون شعر میں۔ چونکہ باندھنے کے معنی قید کر[illegible] ہیں اسلیے ایک عمدہ مضمون پیدا ہو گیا ہے۔
۳ مصرع ثانی مصرع اول کی توضیح کرتا ہے۔ یعنی پھول کی واشد (کھلنا) نشۂ [illegible] کی مستی کی وجہ سے ہے حقیقی مستی کے اثر سے اُس نے اپنے بند قبا کھولدیے ہیں۔ ۱۲ ۴ یعنی ظاہر میں [illegible] وفا کرتے ہیں مگر [illegible] ہے۔ ۱۲

زمانہ سخت کم آزار ہے بجان اسد — وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہین

سلہ داٸم پڑا ہوا ترے در پر نہین ہون مین — خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہین ہون مین
کیون گردش مدام سے گھبرا نہ جاے دل — انسان ہون پیالہ و ساغر نہین ہون مین
یارب زمانہ مجھکو مٹاتا ہے کس لیے — لوح جہان پہ حرف مکرر نہین ہون مین
حد چاہیے سزا مین عقوبت کے واسطے — آخر گناہگار ہون کافر نہین ہون مین
کس واسطے عزیز نہین جانتے مجھے — لعل و زمرد و زر و گوہر نہین ہون مین
رکھتے ہو تم قدم مری آنکھون سے کیون دریغ — رتبے مین مہر و ماہ سے کمتر نہین ہون مین
کرتے ہین مجھکو منع قدمبوس کس لیے — کیا آسمان کے بھی برابر نہین ہون مین

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہین ہون مین

سلہ داٸم پڑا ہوا الخ، یعنی مثل تیرے سنگ در کے ۱۲

سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہو گئین — خاک مین کیا صورتین ہونگی کہ پنہان ہو گئین
سلہ یاد تھین ہمکو بھی رنگارنگ بزم آراٸیان — لیکن اب نقش و نگار طاق نسیان ہو گئین
تھین بنات النعش گردون دن کو پردے مین نہان — شب کو ان کے جی مین کیا آٸی کہ عریان ہو گئین
قید مین یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر — لیکن آنکھین روزن دیوار زندان ہو گئین
سعہ سب رقیبون سے ہون ناخوش پر زنان مصر سے — ہے زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعان ہو گئین
جوے خون آنکھون سے بہنے دو کہ ہے شام فراق — مین یہ سمجھونگا کہ شمعین دو فروزان ہو گئین
ان پریزادون سے لینگے خلد مین ہم انتقام — قدرت حق سے یہی حورین اگر وان ہو گئین
نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتین اسکی ہین — تیری زلفین جسکے بازو پر پریشان ہو گئین
مین چمن مین کیا گیا گویا دبستان کھل گیا — بلبلین سنکر مرے نالے غزلخوان ہو گئین
۳ہ وہ نگاہین کیون ہوئی جاتی ہین یارب دل کے پار — جو مری کوتاہی قسمت سے مژگان ہو گئین
بسکہ روکا مینے اور سینے مین ابھرین پے بہ پے — میری آنکھین بخیۂ چاک گریبان ہو گئین
سکہ وان گیا بھی مین تو انکی گالیون کا کیا جواب — یاد تھین جتنی دعاٸین صرف دربان [illegible]

جاں فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا		سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں
ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم	۵ھ	ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں
رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج		مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

یوں ہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

لہ "نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں" یعنی فراموش ہو گئیں ۱۲۔ اس شعر کے الفاظ نہایت لطیف و رنگین ہیں اور یہ پوری غزل ریختے کا اعلیٰ درجے کا نمونہ ہے۔

سٹہ کیونکہ زنانِ مصر نے اس کی پسند کی مطابقت کی اور خود بھی محوِ حسنِ یوسفی ہو کر زلیخا کو عشقِ حضرت یوسف میں معذور رکھا ۱۲۔

سٹہ جو مژگاں ہو گئیں یعنی کوتاہ ہو گئیں اور شرم کی وجہ سے میری جانب بے محابا نہیں اُٹھتیں۔ غالب کہتا ہے کہ اس کوتاہی پر بھی وہ نگاہیں کیوں میرے دل کے پار ہوئی جاتی ہیں ۱۲۔

سٹہ اس شعر میں جو اصل خوبی اور لطافت ہے وہ یہ ہے کہ گالیوں کے جواب میں دعائیں دینے کو ایک ایسی معمولی اور ضروری بات ہونا ظاہر کرتا ہے کہ گویا ہر شخص اُس کو ضروری جانتا ہے کیونکہ سب سے حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ بتاؤ اُن کی گالیوں کا کیا جواب دوں گا جب کہ دعائیں سب صرف ہو چکیں (یادگارِ غالب)

۵ھ جب ترکِ رسوم مذہب قرار پایا تو جتنی ملتیں مٹتی جاتی ہیں وہ گویا اجزائے ایماں بنتی جاتی ہیں ۱۲۔

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہیں		یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں
دل کو نیازِ حسرتِ دیدار کر چکے		دیکھا تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں
ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے	سلہ	دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یہاں		طاقت بقدرِ لذتِ آزار بھی نہیں
شوریدگی کے ہاتھ سے ہے سر وبالِ دوش		صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں
عداوت اغیار کی طرف		یاں دل میں ضعف سے ہوسِ یار بھی نہیں
ہے مجھے خدا کو مان		آخر تو اے مرغِ گرفتار بھی نہیں

دل مین ہی یار کی صفِ مژگان سے روکشی	سلہ	حالانکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہین
اس سادگی پہ کون نہ مرجاے اے خدا		لڑتے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت مین بارہا
دیوانہ گر نہین ہے تو ہشیار بھی نہین

ل تحصیل دشوار آسان نہین ہوتی مگر ممکن ہوتی ہے - اور تحصیل محال سرے سے ممکن ہی نہین ہوتی شاعر کہتا ہی کہ ملنا تیرا آسان ہو یعنی دشوار ہو تاہم سہل ہے مگر مشکل تو یہ ہی کہ دشوار بھی نہین محال ہے جس مین میں کسی طرح قابو نہین محض مجبور ہون - ۱۲ - یا کہ تیرا ملنا - اگر سب کے لیے مشکل ہو تو مجھکو بھی صبر آجاے - مشکل یہ ہے کہ اغیار کے لیے آسان ہے میری ہی لیے دشوار ہے -

سٰلہ روکشی مقابلہ ۱۲

نہین ہے زخم کوئی بخیہ کے درخور مرے تن مین	سلہ	ہوا ہے تارِ اشکِ یاس رشتہ چشمِ سوزن مین
ہوئی ہے مانعِ ذوقِ تماشا خانہ ویرانی		کفِ سیلاب باقی ہے برنگِ پنبہ روزن مین
ودیعت خانۂ بیدادِ کاوشہاے مژگان ہون	سٰلہ	نگینِ نامِ شاہد ہے مرے ہر قطرۂ خون تن مین
بیان کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستان کی		شبِ مہ ہو جو رکھ دین پنبہ دیوارون کے روزن مین
نکوہش مانعِ بے ربطیِ شورِ جنون آئی	سٰلہ	ہوا ہے خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن مین
ہوے اُس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے	سٰلہ	پرافشان جوہر آئینے مین مثلِ ذرہ روزن مین
نہ جانون نیک ہون یا بد ہون پر صحبت مخالف ہے		جو گل ہون تو ہون گلخن مین جو خس ہون تو ہون گلشن مین
ہزارون دل دیے جوشِ جنونِ عشق نے مجھکو		سیہ ہوکر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خون تن مین

سٰلہ	اسد زندانیِ تاثیرِ الفت ہاے خوبان ہون خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن مین

سلہ رشتۂ سوزن کو تارِ اشکِ یاس کہا - سوزن کو یاس اس لیے ہوئی کہ کوئی زخم بخیے کے قابل نہ نظر آیا -

سٰلہ ہر قطرۂ خون نگین ہے جسپر معشوق کا نام کندہ ہوا ہی اور میں گویا "ودیعت خانۂ بیدادِ کاوشہاے مژگان ہون"

سٰلہ نکوہش میرے شورِ جنون کی بے ربطی سے مانع آئی یعنی خندۂ احباب کے خیال سے مین جیب و دامن کے

چاک کرنے سے باز رہا۔ پس گویا خندۂ احباب بخیۂ جیب و دامن ٹھیرا۔

؎۴ تمثال یعنی شبیہ و صورت، پرافشان یعنی پرزن (نثر) اِس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آئینے مین جوہر (اس طرح) پرافشان ہوے جس طرح (ذرے روزن مین ۱۲۔

؎۵ یعنی محبوب کے لطف و عنایت نے مجھکو گرفتار محبت کر رکھا ہے۔ ۱۲

مزے جہان کے اپنی نظر مین خاک نہین
سواے خون جگر سو جگر مین خاک نہین

مگر غبار ہوے پر ہوا اُڑا لے جاے
وگرنہ تاب و توان بال و پر مین خاک نہین

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے
کہ غیر جلوۂ گل رہ گذر مین خاک نہین

بھلا اُسے نہ سہی کچھ مجھی کو رحم آتا ؎۱
اثر مرے نفس بے اثر مین خاک نہین

خیال جلوۂ گل سے خراب ہین میکش
شراب خانے کے دیوار و در مین خاک نہین

ہوا ہون عشق کی غارت گری سے شرمندہ
سواے حسرت تعمیر گھر مین خاک نہین

ہمارے شعر ہین اب صرف دل لگی کے اسد
کھلا کہ فائدہ عرض ہنر مین خاک نہین

؎۱ مجھی کو رحم آتا، یعنی اپنی حالت پر رحم آتا اور مین نالہ کشی سے باز آتا۔ ۱۲

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آے کیون
روئین گے ہم ہزار بار کوئی ہمین ستاے کیون

دیر نہین حرم نہین در نہین آستان نہین
بیٹھے ہین رہگذر پہ ہم غیر ہمین اُٹھاے کیون

جب وہ جمال دلفروز صورت مہر نیمروز ؎۱
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے مین منہ چھپاے کیون

دشنۂ غمزہ جان ستان ناوک ناز بے پناہ
تیرا ہی عکس رخ سہی سامنے تیرے آے کیون

قید حیات و بند غم اصل مین دونون ایک ہین
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پاے کیون

حسن اور اس پہ حسن ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم ؎۲
اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزماے کیون

وان وہ غرور عز و ناز یان یہ حجاب پاس وضع
راہ مین ہم ملین کہان بزم مین وہ بلاے کیون

ہان وہ نہین خداپرست جاؤ وہ بیوفا سہی
جسکو ہو دین و دل عزیز اسکی گلی مین جاے کیون

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہین
روئیے زار زار کیا کیجیے ہاے ہاے کیون

آتا ہے کہ غم الفت کا بھی علاج موجود ہو حالانکہ ایسا نہین ہے اور درد عشق لا دوا ہے۔

۵۲ دوسرون کا اثر قبول کرنا اور احسان لینا زبونی ہمت کی دلیل ہے اسلیئے دہرے غیرت بھی حاصل کرنا چاہیئے۔

۵۳ اگر تونے ترک تعلقات کرکے آزادی حاصل کی ہے تو اُسکے یہ معنی نہین ہین کہ تو وارستگی کا عذر رکھکر لوگون سے وحشت کرنے لگے اور اگر کرتا ہی ہے تو اپنے سے وحشت کر نہ کہ دوسرون سے ۔۱۲

قفس مین ہون اگر اچھا بھی جانین میرے شیون کو ۱
مرا ہونا برا کیا ہے نوا سنجان گلشن کو

نہین گر ہمدمی آسان نہو یہ رشک کیا کم ہے ۲
نہ دی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو

نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اس جراحت پر
کیا سینے مین جس نے خونچکان مژگان سوزن کو

خدا شرمائے ہاتھون کو کہ رکھتے ہین کشاکش مین ۳
کبھی میرے گریبان کو کبھی جانان کے دامن کو

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آسان سمجھتے ہین
نہین دیکھا شناور جوئے خون مین تیرے توسن کو

ہوا چرچا جو میرے پاؤن کی زنجیر بننے کا
کیا بیتاب کان مین جنبش جوہر نے آہن کو

خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے
سمجھتا ہون کہ ڈھونڈھے ہے ابھی سے برق خرمن کو

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے ۴
مرے بتخانہ مین تو کعبے مین گاڑو برہمن کو

شہادت تھی مری قسمت مین جو دی تھی یہ خو مجھکو
جہان تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یون بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہون رہزن کو

سخن کیا کہہ نہین سکتے کہ جویا ہون جواہر کے
جگر کیا ہم نہین رکھتے کہ کھودین جاکے معدن کو

مرے شاہ سلیمان جاہ سے نسبت نہین غالب
فریدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو

۱ "مرا ہونا برا کیا ہے الخ" کیونکہ مین قفس مین ہون اور نغمہ سرائی اُن کا حصہ دار نہین بن سکتا ۔۱۲

۲ یہ مانا کہ محبوب کے ساتھ رقیب کی ہمدمی آسان نہین ہے لیکن میرے لیے یہی رشک کیا کم ہے کہ مین دوست کا آرزومند ہون اور غیر بھی ہے۔

۳ "جانان کا دامن" اگرچہ صحیح ترجمہ ہے "دامان جانان" کا لیکن فصیح نہین ہے تعجب ہے کہ غالب نے اسکا استعمال جائز رکھا ۔۱۲

۴ بت خانے مین مرنا برہمن کی استواری عہد اور وفاداری کی دلیل ہے اور چونکہ یہی اصل

ایمان ہے اس لیے اُسے کعبے مین دفن کرنا چاہیے۔ ۱۲

دھوتا ہون جب مین پینے کو اُس سیم تن کے پانو
رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پانو

دی سادگی سے جان پڑون کوہکن کے پانو
ہیہات کیون نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو

بھاگے تھے ہم بہت سو اُسی کی سزا ہے یہ
ہو کر اسیر داتبے ہین راہزن کے پانو

مرہم کی جستجو مین پھرا ہون جو دور دور
تن سے سوا فگار ہین اس خستہ تن کے پانو

اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ
ہلتے ہین خود بخود مرے اندر کفن کے پانو

ہے جوش گل بہار مین یان تک کہ ہر طرف
اُڑتے ہوئے اُلجھتے ہین مرغ چمن کے پانو

شب کو کسی کے خواب مین آیا نہ ہو کہین
دکھتے ہین آج اُس بت نازک بدن کے پانو

غالب مرے کلام مین کیونکر مزا نہ ہو
پیتا ہون دھو کے خسرو شیرین سخن کے پانو

وان اُسکو ہول دل ہے تو یان مین ہون شرمسار
یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہو

لپنے کو دیکھتا نہین ذوق ستم تو دیکھ
آئینہ تا کہ دیدۂ نخچیر سے نہو سلہ

سلہ تا کہ یعنی جب تک کہ (نثر) اس کا ذوق ستم تو دیکھیے کہ جب تک دیدۂ نخچیر کا آئینہ نہو وہ اپنے کو نہین دیکھتا یعنی اپنی صورت آئینہ دیدۂ نخچیر کے سوا اور کسی آئینے مین نہین دیکھتا۔

وان پہونچکر جو غش آتا پے ہم ہے ہم کو
صد رہ آہنگ زمین بوس قدم ہے ہم کو سلہ

دل کو مین اور مجھے دل محو وفا رکھتا ہے
کس قدر ذوق گرفتاری ہم ہے ہم کو

ضعف سے نقش پے مور ہے طوق گردن
تیرے کوچے سے کہان طاقت رم ہے ہم کو

رشک ہم طرحی و درد اثر بانگ حزین
نالۂ مرغ سحر تیغ دو دم ہے ہم کو

جان کر کیجیے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو
یہ نگاہ غلط انداز تو سم ہے ہم کو سلہ۲

سر اُڑانے کے جو وعدے کو مکرر چاہا
ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو سلہ۳

دل کے خون کرنے کی کیا وجہ ولیکن ناچار
پاس بے رونقی دیدہ اہم ہے ہم کو سلہ۴

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغان کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو

لکھنؤ آنے کا باعث نہین کھلتا یعنی
ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

مقطع سلسلۂ شوق نہین ہے یہ شہر		عزم سیر نجف وطوف حرم ہے ہم کو

لیئے جاتی ہے کہین ایک توقع غالب
جادۂ رہ کشش کاف کرم ہے ہم کو

سلہ صدرہ یعنی سو بار مطلب یہ ہے کہ ہمارا غش بہانۂ زمین بوسی قدم ہے۔ اپنے قدمون کی اس درجہ عزت اس لحاظ سے مناسب ہے کہ انھین کے ذریعہ سے کوچۂ محبوب مین آنا ہوا ۱۲۔

سلہ جان کر کیجیئے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو" کیونکہ جان کر تغافل کرنا بھی ایک قسم کا التفات پنہان ہے

سلہ ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو" کہ تیرا سر ضرور اڑا دین گے۔ لطف مضمون اس شعر کا قابل غور ہے ۱۲۔

سلہ دل کے خون کرنے کی کیا وجہ" یعنی کہ بغیر خونفشانی کے آنکھین بے رونق تھین اور ہم کو یہ ناگوار نہ تھا

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو		مجھکو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
بچتے نہین مواخذہ روز حشر سے	سلہ	قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو
کیا وہ بھی بیگنہ کش و حق ناشناس ہین		مانا کہ تم بشر نہین خورشید و ماہ ہو
اُبھرا ہوا نقاب مین ہے اُن کی ایک تار	سلہ	مرتا ہون مین کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید		مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو
سنتے ہین جو بہشت کی تعریف سب درست		لیکن خدا کرے وہ ترا جلوہ گاہ ہو

غالب بھی گر نہ ہو تو کچھ ایسا ضرر نہین
دُنیا ہو یارب اور مرا بادشاہ ہو

سلہ مواخذہ یعنی پرسش میرے قتل کی بابت بروز حشر تم سے پرسش ضرور ہوگی۔ یعنی اگر رقیب قاتل قرار پائے گا اُس وقت بھی تم سے بطور گواہ اس کی پرسش ضرور ہوگی۔ پس تم کسی طرح پرسش روز حشر سے نہین بچ سکتے۔

سلہ کسی کی یعنی کسی کی نظارگی کی مرتا ہون یعنی رشک بدگمانی کے باعث۔

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو	سلہ	کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو
ہمارے ذہن مین اس فکر کا ہے نام وصال		کہ گر نہو تو کہان جائین ہو تو کیونکر ہو

ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے
حیا ہے اور یہی گو مگو تو کیونکر ہو

تمھین کہو کہ گذارا صنم پرستون کا
بتون کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو

اُلجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تم سے شہر مین ہون ایک دو تو کیونکر ہو

جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

ہمین پھر ان سے امید اور انھین ہماری قدر
ہماری بات ہی پوچھین نہ وُہ تو کیونکر ہو

غلط نہ تھا ہمین خط پر گمان تسلی کا
نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیونکر ہو

بتاؤ اس مژہ کو دیکھکر کہ مجھ کو قرار
یہ نیش ہو رگ جان مین فرو تو کیونکر ہو

مجھے جنون نہین غالب ولے بقول حضور
فراق یار مین تسکین ہو تو کیونکر ہو

سه ق کہتے ہے یعنی گفتگو ہونے پر بھی کچھ نہ ہوا ۱۲

کسی کو دیکے دل کوئی نوا سنج فغان کیون ہو
نہو جب دل ہی سینے مین تو پھر منھ مین زبان کیون ہو

وہ اپنی خو نہ چھوڑینگے ہم اپنی وضع کیون چھوڑین
سبکسر بنکے کیا پوچھین کہ ہم سے سرگران کیون ہو

کیا غمخوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا رازدان کیون ہو

وفا کیسی کہان کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھیرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستان کیون ہو

قفس مین مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جسپہ کل بجلی وہ میرا آشیان کیون ہو

سه
یہ کہ سکتے ہو ہم دل مین نہین ہین پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل مین تمھین تم ہو تو آنکھون سے نہان کیون ہو

غلط ہے جذب دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیان کیون ہو

سه
یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جسکے دشمن اُسکا آسمان کیون ہو

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہین
عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحان کیون ہو

سه
کہا تم نے کہ کیون ہو غیر کے ملنے مین رسوائی
بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہان کیون ہو

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنون سے تو غالب
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہربان کیون ہو

سه یہ تو کہہ نہین سکتے ہو کہ ہم تیرے دل مین نہین ہین لیکن یہ بتلاؤ جب میرے دل مین تمھین

تم ہو تو پھر تم میری نظروں سے کیوں نہاں ہو۔ پہلے مصرعہ میں استفہام انکاری ہے۔ ۱۲

سٹہ یعنی تمھاری دوستی ہی کیا کم فتنہ ہے۔ ۱۲

سٹہ اس شعر کی ترکیب نہایت دل پذیر ہے۔ اور یہ پوری غزل حسن کلام اور لطف سخن کا نمونہ ہے۔ ۱۲

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہو		ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زبان کوئی نہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے		کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسبان کوئی نہو
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہو تیماردار		اور اگر مرجائیے تو نوحہ خوان کوئی نہو

ردیف ہاے ہوز

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ	سلہ	طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ
ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غم کدہ	سٹہ	جس کی بہار یہ ہو پھر اسکی خزان نہ پوچھ
ناچار بیکسی کی بھی حسرت اٹھائیے	سٹہ	دشواری رہ و ستم ہمرہان نہ پوچھ

سلہ آفتاب سے لے کر ذرے تک ہر شے مانند دل ہے اور دل بصورت آئینہ ہے پس گویا طوطی کو ہر سمت سے آئینہ مقابل نظر آتا ہے یعنی آئینے خانے کی طرح ہر طرف اپنی ہی شبیہ نظر آتی ہے۔

سٹہ ہے سبزہ زار الخ" یعنی بر بنائے گریہ و ویرانی بمصداق "اگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر"

سٹہ ستم ہمرہان اس لحاظ سے کہا کہ ان کی موجودگی کے باعث سے بیکسی کی بھی حسرت اٹھانا پڑتی ہے کیونکہ جب لوگ ہمراہ ہیں تو ہم اپنے کو بیکس بھی نہیں کہ سکتے۔ ۱۲

ردیف یاے تحتانی

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگان اٹھائیے	سلہ	طاقت کہان کہ دید کا احسان اٹھائیے
ہے سنگ پر برات معاش جنون عشق	سٹہ	یعنی ہنوز منت طفلان اٹھائیے
دیوار بار منت مزدور سے ہے خم		اے خانمان خراب نہ احسان اٹھائیے

یا میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجئے	۵۳	یا پردۂ تبسم پنہان اُٹھائیے"

۵۱ طاقت کہان کہ دید کا احسان اُٹھائیے" کیونکہ آنکھ اُٹھاتے ہی سیکڑون جلوہ ہاے یا پیش نظر ہو جائینگے جن کے دیکھنے کی ہم مین تاب نہین ہے۔۱۲

۵۲ برات بمعنی اصطلاحی "کاغذ نوشتہ کہ بموجب آن خزانہ زر بدست آید" ۱۲ یعنی چونکہ نشانۂ سنگ طفلان ہونا لوازمات دیوانگی سے ہے اِس لیے گویا جنون مین بھی منت کشی کا جھگڑا باقی رہا۔

۵۳ اگر آپ اپنے تبسم پنہان کا پردہ نہین اُٹھاتے ہین تو میرے زخم رشک کو بھی رسوا نہ کیجئے۔ کیونکہ غیر کے ساتھ آپکے تبسم ہاے پنہان کے ہوتے ہوے میرا رشک بجا ہے۔

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے	۱	بھون پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے
عاشق ہوے ہین آپ بھی اک اور شخص پر		آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے
سیکھے ہین مہ رخون کے لیے ہم مصوری		تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے
مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو		اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے
ہے رنگ لالہ و گل و نسرین جدا جدا		ہر رنگ مین بہار کا اثبات چاہیے
سر پاے خم پہ چاہیے ہنگام بیخودی		رو سوے قبلہ وقت مناجات چاہیے
یعنی بحسب گردش پیمانۂ صفات		عارف ہمیشہ مست مے ذات چاہیے
	۲	نشو و نما ہے اصل سے غالب فروع کو خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیے

۱ آنکھ کو خرابات اور ابرو کو طاق مسجد سے مشابہ کیا ہے لیکن بھون کا لفظ بہت ثقیل ہے۔۱۲

۲ خاموشی کو اصل اور تمام باتون کو فرع قرار دیا "نکلے ہے جو بات چاہیے" ذو معنی فقرہ ہے ایک تو یہ خاموشی سے ہر بات نکلتی ہے کیونکہ خاموشی کو فکر سے تعلق ہے اور اِس لیے وہ اصل ہے تمام باتون کی دوسرے یہ کہ جو بات چاہیے وہ خاموشی ہی سے نکلتی ہے۔ یہان "بات نکلتی ہے" بمعنی محاورہ مشہور لیا جائیگا۔ مثلاً کہتے ہین کہ فلان کی دیوانگی مین بھی ایک بات نکلتی ہے۔۱۲

بساطِ عجز مین تھا ایک دل یک قطرہ خون وہ بھی		سو رہتا ہے باندازِ چکیدن سرنگون وہ بھی
رہے اُس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے		تکلف برطرف تھا ایک اندازِ جنون وہ بھی

خیال مرگ کب تسکین دلِ آزردہ کو بخشے ۱؎ مرے دامِ تمنا میں ہے اک صیدِ زبوں وہ بھی

نہ کرتا کاش نالہ مجھکو کیا معلوم تھا ہمدم کہ ہوگا باعثِ افزایشِ دردِ دروں وہ بھی

نہ اتنا بُرشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ مرے دریاے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی

مے عشرت کی خواہش ساقیِ گردوں سے کیا کیجے لیے بیٹھا ہے اک دو چار جامِ واژگوں وہ بھی

مرے دل میں ہے غالب شوقِ وصل و شکوۂ ہجران
خدا وہ دن کرے جو اُس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

۱؎ یعنی منجملہ اور تمناؤں کے (جو درجے میں تمناے مرگ سے کہیں بڑھ کر ہیں) ایک خواہش مرگ بھی ہے پس ظاہر ہے کہ خیال مرگ سے دلِ آزردہ کو کیا تسکین ہو سکتی ہے۔۱۲

ہے بزمِ بتاں میں سخن آزردہ لبوں سے ۱؎ تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے

ہے دورِ قدح وجہ پریشانیِ صہبا یک بار لگا دو خمِ مے میرے لبوں سے

رندانِ درِ میکدہ گستاخ ہیں زاہد ۲؎ زنہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے

بیدادِ وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر ۳؎ ہر چند مری جان کو تھا ربط لبوں سے

۱؎ بتان خوشامد طلب سے ہم ایسے تنگ آئے ہیں کہ سخن لبوں سے آزردہ ہے۔ یعنی بات کرنے کو جی نہیں چاہتا

۲؎ طرف ہونا یعنی منہ لگنا۔ یہ پرانا محاورہ ہے جواب متروک ہے۔۱۲

۳؎ جاتی رہی یعنی جان جاتی رہی۔ اگرچہ اس کو لبوں سے بہت کچھ ربط تھا۔۱۲ مطلب یہ ہے کہ میری جان لبوں ہی پر رہا کرتی تھی اس لیے اس کو لبوں سے محبت ہو گئی تھی لیکن بیدادِ وفا نے آخرش دونوں کو جدا کر دیا۔

تا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے

غالب ترا احوال سنا دیں گے ہم اُن کو وہ سُن کے بلا لیں یہ اجارا نہیں کرتے

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر سو ہے

غمِ دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اُٹھانے کی ۱؎ فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

کھُلے گا کس طرح مضموں مرے مکتوب کا یا رب ۲؎ قسم کھائی ہے اُس کافر نے کاغذ کے جلانے کی

لپٹنا پرنیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوزِ غم چھپانے کی

اُنھیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا — اُٹھے تھے سیرِ گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی
ہماری سادگی تھی التفاتِ ناز پر مرنا — ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانے کی
لکدکوبِ حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی — مری طاقت کہ ضامن تھی بتوں کے ناز اٹھانے کی

کہوں کیا خوبیِ اوضاعِ ابنائے زماں غالب
بدی کی اُس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی

سلہ فلک ستم گر مشہور ہے اور تو بھی جفا کار ہے۔ اِس لیے آسمان کو دیکھ کر تو یاد آجاتا ہے۔ ۱۲

سلہ۲ وہ میرے خط کو جلا دیا کرتا تھا اور اس طرح پر میرے سوزِ غم کا حال اس پر ظاہر ہو جاتا تھا افسوس کہ اب اس نے خط کا جلانا بھی موقوف کر دیا۔ ۱۲

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی — سلہ — دِل جوشِ گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی
اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے — سلہ۲ — میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغِ ناتمامی

سلہ "ڈوبی اسامی" وہ کاشتکار جس سے لگان وصول ہونے کی امید نہ ہو۔ دل کو ڈوبی اسامی اِس لیے کہا کہ جوشِ گریہ سے کسی فائدے کی امید نہیں معلوم ہوتی۔

سلہ۲ ہوں داغِ ناتمامی۔ یعنی اپنے نقص کی بنا پر داغِ بدل ہوں۔ ۱۲

کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہان ہے — جس میں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے
ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے — پرتو سے آفتاب کے ذرہ میں جان ہے
حالانکہ ہے یہ سیلیِ خارا سے لالہ رنگ — سلہ — غافل کو میرے شیشے پہ مے کا گمان ہے
کی اُس نے گرم سینۂ اہلِ ہوس میں جا — سلہ۲ — آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے
کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا — بس چپ رہو ہمارے بھی منھ میں زبان ہے
بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوارِ یار میں — سلہ۳ — فرماں روائے کشورِ ہندوستان ہے
ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا — سلہ۴ — کس سے کہوں کہ داغِ جگر کا نشان ہے

سلہ۵
ہے بارے اعتمادِ وفاداری اس قدر
غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ نا مہرباں ہے

سلہ میرا شیشہ لبریز شراب ہونے کے سبب سرخ نہیں ہے بلکہ ضربِ سنگ نے اُسے زخمی کر دیا ہے۔ ۱۲

۲ اہلِ ہوس کا سینہ چونکہ آتشِ شوق سے خالی ہوتا ہے اس لیے اُس کو ٹھنڈے مکان سے تعبیر کیا۔ ۱۲

۳ کشورِ ہندوستان کی فارسی ترکیب مین اعلانِ نون غالب کے وقت تک جائز تھا اب ناجائز ہے۔

۴ غم سے جو داغ پیدا ہوا تھا وہ جگر کو کھا گیا۔ اب کسی کو اس بات کا یقین نہین آتا ہے کہ یہ داغ اُسی جگر کی نشانی ہے۔ ۱۲

۵ مضمون اس شعر کا خوب ہے لیکن مصرعۂ ثانی مین "وہ" یا اسکے کسی ہم معنی لفظ کے بغیر فصاحت نہین ہے۔ کہتا ہے کہ ہم اسکے ستم سے بھی خوش ہین اس لیے کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسے ہماری وفاداری پر اعتماد ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہم کسی حال مین ترک محبت نہ کرینگے۔ ۱۲

درد سے میرے ہے تجھ کو بیقراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

تیرے دل مین گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیون کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے

کیون مری غمخوارگی کا تجھکو آیا تھا خیال
دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہائے ہائے

عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا
عمر کو بھی تو نہین ہے پائداری ہائے ہائے

۱ زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے

گلفشانیہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا
خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے ہائے

شرمِ رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک مین
ختم ہے اُلفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

خاک مین ناموسِ پیمانِ محبت مل گئی
اُٹھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری ہائے ہائے

ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا
دل پہ اک لگنے نہ پایا زخمِ کاری ہائے ہائے

کس طرح کاٹے کوئی شبہائے تارِ برشکال
ہے نظر خو کردۂ اختر شماری ہائے ہائے

گوش محرومِ پیام و چشم محرومِ جمال
ایک دل تس پر یہ نا امیدواری ہائے ہائے

عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی وحشت کا رنگ
رہ گیا تھا دل مین جو کچھ ذوقِ خواری ہائے ہائے

۱ چونکہ زندگی نے تجھ سے وفا نہ کی اس لیے مین بھی اس سے بیزار ہون یاد رہے یہ پوری غزل مرثیۂ محبوب ہے۔ ۱۲

سرگشتگی مین عالمِ ہستی سے یاس ہے	۱	تسکین کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے
لیتا نہین مرے دلِ آوارہ کی خبر	۲	اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے
کیجیے بیان سرورِ تپِ غم کہان تلک		ہر مو مرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے
ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانۂ وفا		ہر چند اسکے پاس دلِ حق شناس ہے
پی جسقدر ملے شبِ مہتاب مین شراب	۳	اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

ہر اک مکان کو ہے مکین سے شرف اسد
مجنون جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

۱ مرنے سے چونکہ تسکین ہو جائے گی اس لیے امیدِ مرگ پر تسکین کو نوید دیتا ہے۔۱۲
۲ "اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے" حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ میرا دل اسکے پاس ہے میرے پاس نہین۔ یا یہ کہ میرے اختیار سے باہر ہو گیا ہے۔۱۲
۳ اس شعر مین شب مہتاب کے ساتھ بلغمی مزاج اس رعایت سے آیا ہے کہ بلغمی مزاج کی طرح شب ماہ سرد ہوتی ہے۔ اس لیے اُسکا مزاج بھی مرطوب معلوم ہوتا ہے۔۱۲

گر خامشی سے فائدہ اخفاے حال ہے	۱	خوش ہون کہ میری بات سمجھنی محال ہے
کس کو سناؤن حسرتِ اظہار کا گلہ	۲	دل فردِ جمع و خرچ زبانہاے لال ہے
کس پردے مین ہے آئینہ پرداز اے خدا	۳	رحمت کہ عذر خواہ لبِ بے سوال ہے
ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی	۴	اے شوقِ منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے
مشکین لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جان	۵	نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے
وحشت پہ میری عرصۂ آفاق تنگ تھا		دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے

۶ ہستی کے مت فریب مین آ جائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

۱ اگر خاموشی سے یہی فائدہ ہے کہ اس سے اخفاے حال مین مدد ملتی ہے تو مین خوش ہون کہ مجھ کو بغیر خاموشی کے وہی بات حاصل ہے کیونکہ کوئی میری بات سمجھ نہین سکتا۔۱۲
۲ زبانہاے لال یعنی زبان گنگ۔ ہزارون حسرتین ایسی ہین جنکے اظہار کی حسرت دل کی دل ہی مین

رہ گئی پس گویا دل زبان ہائے لال کی فرد جمع وخرچ ہے یعنی شکوون کا ایک دفتر ہی ۱۲

سٹہ (نثر) اسے خدا۔ رحمت جو لب بے سوال کی عذرخواہ ہی کس پردے مین آئینہ پرداز ہے ۔ یعنے جو لوگ راضی برضائے الٰہی ہین اُن پر رحمت کے نازل ہونے مین کیا دیر ہی ۱۲

سعہ منفعل یعنی شرمندہ شوید شوق سے کہتا ہی کہ اپنے اس خیال پر شرمندہ ہو بھلا وہ اور دشمنی کریگا۔

ظالم مرے گمان سے مجھے منفعل نہ چاہ	سعہ	ہین اور خدا نکردہ تجھے بیوفا کہون

ﮧ (نثر) لباس کعبہ کو علی کے قدم سے شکین جان (ورنہ کعبہ) ناف زمین ہی نہ ناف غزال ۱۲

سٹہ خیال یعنی وہم ۱۲

تم اپنے شکوے کی باتین نہ کھود کھود کے پوچھو		حذر کرو مرے دل سے کہ اس مین آگ دبی ہے
دلا یہ درد والم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر	سلہ	نہ گریۂ سحری ہے نہ آہ نیم شبی ہے

سلہ آخر یعنی بعد چندروز کے نہ یہ گریہ سحری رہے گا نہ آہ نیم شبی ۱۲

ایک جا حرف وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا	سلہ	ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے
جی جلے ذوق فنا کی ناتمامی پر نہ کیون	سٹہ	ہم نہین جلتے نفس ہر چند آتشبار ہے
آگ سے پانی مین بجھتے وقت اُٹھتی ہی صدا		ہر کوئی درماندگی مین نالے سے ناچار ہے
ہے وہی بدمستی ہر ذرہ کا خود عذرخواہ		جسکے جلوے سے زمین تا آسمان سرشار ہے
مجھسے مت کہہ تو ہمین کہتا تھا اپنی زندگی		زندگی سے بھی مرا جی ان دنون بیزار ہے
آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے کہ تا		تجھ پہ کھل جاوے کہ اُس کو حسرت دیدار ہے

سلہ گویا حرف وفا غلط تھا جو تیرے خط کے کاغذ پر خود بخود مٹ گیا۔

سٹہ معلوم ہوتا ہی کہ ہمارا ذوق فنا ناتمام یعنی ناقص ہی کیونکہ باوجود نفس کی آتشباری کے ہم ہر ایک بار جل کر فنا کیون نہین ہو جاتے۔

پینس مین گذرتے ہین جو کوچے سے وہ میرے		کندھا بھی کہارون کو بدلنے نہین دیتے

مری ہستی فضاے حیرت آباد تمنا ہے	سلہ	جسے کہتے ہین نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے
خزان کیا فصل گل کہتے ہین کسکو کوئی موسم ہو		وہی ہم ہین قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے
وفاے دلبران ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم		اثر فریاد دلہاے حزین کا کسنے دیکھا ہے

نہ لائی شوخیِ اندیشہ تابِ رنجِ نومیدی ۳ کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

۲ ظاہر ہے کہ حیرت کے عالم میں انسان آہ و نالہ بھول جاتا ہے اسی اعتبار سے اپنی ہستی کو حیرت آبادِ تمنا اور نالے کو اس عالمِ حیرت کا عنقا قرار دیتا ہے جس سے مطلب یہ ہے کہ میری حیرت مانعِ فریاد ہے۔ ۱۲

۳ "کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے" اس کا مضمون بہر صورت صحیح ہے یعنی بظاہر صورت اس طور پر کہ عہد باندھنے کے وقت بھی ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں۔ اور معنی اس طرح پر کہ کفِ افسوس ملنا ثبوت اس کا ہے کہ جس شے کے لیئے ہم افسوس کر رہے ہیں اسی کی تمنا ہم پھر کر رہے ہیں۔ اور اسی کا نام تجدیدِ تمنا ہے۔

رحم کر ظالم کہ کیا بودِ چراغِ کشتہ ہے ۱ نبضِ بیمارِ وفا دودِ چراغِ کشتہ ہے
دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں ۲ ورنہ یاں بے رونقی سودِ چراغِ کشتہ ہے

۱ یعنی آخر وقت تو رحم کر جبکہ میری حالت چراغِ کشتہ کے مانند ہے اور میری نبض گویا اُسکے دھوئیں سے مانا ہے۔ ۱۲ بود بمعنی ہستی۔ اصطلاحِ طب میں وقتِ آخر کی نبض کو دودی کہتے ہیں۔

۲ "بے رونقی سودِ چراغِ کشتہ ہے" کیونکہ جس وقت تک چراغ خاموش رہتا ہے اُس وقت تک اُس کا تیل نہیں صرف ہوتا۔ اِس لیئے بے رونقی ہی میں اس کا فائدہ ہے۔

چشمِ خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے ۱ سرمہ تو کہوے کہ دودِ شعلۂ آواز ہے
پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے ۲ نالہ گویا گردشِ سیارہ کی آواز ہے
دستگاہِ دیدۂ خونبارِ مجنوں دیکھنا ۳ یک بیاباں جلوۂ گل فرشِ پا انداز ہے

۱ یار کی چشمِ سخن گو کی صفت بیان کرتا ہے کہ وہ بحالتِ خاموشی بھی گویا ہوتی ہے۔ تو کہوے یا کہے تو پُرانا محاورہ ہے بمعنی گویا۔ سخن گوئی چشمِ یار کے لحاظ سے سُرمے کو شعلۂ آواز کا دھواں کہا۔

۲ سیارے سے یہاں ستارۂ بدقسمتی مراد ہے۔ عاشقوں کے ہمہ تن نالہ و فریاد ہونے کے اعتبار سے جسمِ عشاق کو طالعِ ناساز کا ساز کہا۔ ۱۲

۳ دستگاہ یعنی قدرت و مرتبہ۔ یک بیاباں بمعنی کثرت یعنی دیدۂ مجنوں کی خونباری سے زمین جو سُرخ ہوگئی ہے تو گویا اس کا فرشِ پا انداز جلوۂ گل سے بنا ہے۔ اور یہ اُس کی بلند پائگی کا ثبوت ہے۔

عشق مجھکو نہیں وحشت ہی سہی — میری وحشت تری شہرت ہی سہی
قطع کیجیے نہ تعلق ہم سے — کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

میرے ہونے مین ہی کیا رسوائی	۱	اے وہ مجلس نہین خلوت ہی سہی
ہم بھی دشمن تو نہین ہین اپنے	۲	غیر کو تجھسے محبت ہی سہی
اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو		آگہی گر نہین غفلت ہی سہی
عمر ہر چند کہ ہے برق خرام		دلکے خون کرنیکی فرصت ہی سہی
ہم کوئی ترک وفا کرتے ہین		نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی
کچھ تو دے اے فلک نا انصاف		آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی
ہم بھی تسلیم کی خو ڈالینگے		بے نیازی تری عادت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جاے اسد
گر نہین وصل تو حسرت ہی سہی

۱ کیونکہ مین پاک دامن ہون ۱۲

۲ اچھا اگر غیر کو تجھ سے محبت ہی تو یہی سہی۔ ہم کو بھی اپنے ساتھ کچھ دشمنی نہین ہی کہ تیرے اس قول کے ہوتے ہوے بھی دعوے محبت کیے جائین اور تکلیف رشک برداشت کرین

ہے آرمیدگی مین نکوہش بجا مجھے	۱	صبح وطن ہے خندۂ دندان نما مجھے
ڈھونڈھے ہے اس مغنی آتش نفس کو جی		جس کی صدا ہو جلوۂ برق فنا مجھے
مستانہ طے کرون ہون رہ وادی خیال	۲	تا باز گشت سے نہ رہے مدعا مجھے
کرتا ہے بسکہ باغ مین تو بے حجابیان	۳	آنے لگی ہے نکہت گل سے حیا مجھے
کھلتا کسی پہ کیون مرے دل کا معاملہ		شعرون کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

۱ نکوہش بمعنی ملامت یعنی وطن مین چونکہ مجھکو آرام حاصل ہی اس لیے صبح وطن (باعتبار اپنی سفیدی کے) گویا میرے لیے خندۂ دندان نما ہی اور میری آرام طلبی پر مجھکو ملامت کر رہی ہے ۱۲

۲ یعنی مین اس درجہ محو خیال ہو جانا چاہتا ہون کہ پھر مجھکو ہوش مین آنے کی خواہش باقی نہ رہے۔

۳ چونکہ تو نکہت گل کی موجودگی مین باغ مین بے حجابیان کرتا ہے اس لیے مجھکو نکہت گل سے بھی حیا آنے لگی ہے ۱۲

زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالب		ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے

اس بزم مین مجھے نہین بنتی حیا کیے
بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیے [1]

دل ہی تو ہے سیاستِ دربان سے ڈر گیا
مین اور جاؤن در سے ترے بن صدا کیے

رکھتا پھرون ہون خرقہ و سجادہ رہن مے
مدت ہوئی ہے دعوتِ آب و ہوا کیے

بے صرفہ ہی گذرتی ہے ہو گرچہ عمرِ خضر
حضرت بھی کل کہینگے کہ ہم کیا کیا کیے

مقدور ہو تو خاک سے پوچھون کہ اے لئیم
تونے وہ گنجہاے گران مایہ کیا کیے

کس روز تہمتین نہ تراشا کیے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

صحبت مین غیر کی نہ پڑی ہو کہین یہ خو
دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے

ضد کی ہے اور بات مگر خو بُری نہین
بھولے سے اُس نے سیکڑون وعدے وفا کیے [2]

غالب تمھین کہو کہ ملے گا جواب کیا
مانا کہ تم کہا کیے اور وہ سنا کیے

[1] بیٹھا رہا یعنی بے حمیتی سے اگرچہ اغیار میری جانب از راہ تمسخر و طعن اشارے کرتے رہے۔ ۱۲

[2] تو یعنی سہو کی خو جس کی بنا پر اُس نے بھولے سے سیکڑون وعدے وفا کیے۔ ۱۲
یا یہ کہ اس کی دوسری بات ہے کہ وہ ضد سے وعدہ وفا نہ کرے لیکن اُس کی عادت بُری نہین ہے یعنی
یہ جب وہ اپنی ضد کو بھول جاتا ہے تو سیکڑون وعدے وفا کرتا ہے۔ ۱۲

رفتارِ عمر قطعِ رہِ اضطراب ہے
اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے [1]

میناے مے ہے سرو نشاطِ بہار سے
بالِ تدرو جلوۂ موجِ شراب ہے

زخمی ہوا ہے پاشنہ پاے ثبات کا
نے بھاگنے کی گون نہ اقامت کی تاب ہے

جاداد بادہ نوشیِ رندان ہے شش جہت
غافل گمان کرے ہے کہ گیتی خراب ہے [2]

نظارہ کیا حریف ہو اس برقِ حسن کا
جوشِ بہار جلوے کو جسکے نقاب ہے [3]

مین نامراد دل کی تسلی کو کیا کرون
مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے

گذرا اسد مسرتِ پیغام یار سے
قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوال و جواب ہے

[1] قاعدہ ہے کہ سال کا حساب گردش آفتاب سے کیا جاتا ہے لیکن غالب کہتا ہے کہ عمر گریزان

سال کا حساب برق سے کیا جاتا ہے گویا اس کے سال کی مقدار وقت ایک برق چشمک کے برابر ہے۔۱۲

؎ جادادمعنی جائداد گیتی خراب یعنی رسوائے زمانہ مطلب یہ ہے کہ غافل یہ خیال کرتا ہے کہ رندان بادہ نوش رسوائے زمانہ ہیں حالانکہ تمام عالم اُن کی بادہ نوشی کی جاگیر ہے یعنی بصورت سببِ پُرا نی وفارغ البالی۔

؎ جس برق حسن کا یہ عالم ہو کہ جوش بہار اُس کے جلوے کے لیئے نقاب کی مانند ہو اُس کے نظارے کی کون تاب لاسکتا ہے۔۱۲

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے	؎	مین اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے
ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے	؎	آبگینہ تندیٔ صہبا سے پگھلا جائے ہے
غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے		گر حیا بھی اُس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے
شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے		دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے
دور چشم بد تری بزم طرب سے واہ واہ	؎	نغمہ ہو جاتا ہے وان گر نالہ میرا جائے ہے
گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق	؎	پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہین کہ وہ پا جائے ہے
اُس کی بزم آرائیان سن کر دل رنجور یان	؎	مثل نقش مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے
ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا		رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اُڑتا جائے ہے
نقش کو اُسکے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہین	؎	کھینچتا ہے جسقدر اُتنا ہی کھنچتا جائے ہے

سایہ میرا مجھسے مثل دود بھاگے ہے اسد
پاس مجھ آتش بجان کے کس سے ٹھیرا جائے ہے

؎ اپنے انتہائے رشک کو بیان کرتا ہے کہ مجھے یہ بھی گوارا نہین ہے کہ خود مین اُسے دیکھوں۔۱۲

؎ گرمی اندیشہ کو تندیٔ صہبا سے اور دل کو آبگینے سے مشابہ کیا ہے۔۱۲

؎ ”گر حیا بھی اُس کو آتی ہے“ یعنی غیر کی گستاخی اور خواہش بیجا سے ”تو شرما جائے ہے“ یعنی غیر یا اُس کے ساتھ تکرار کرنے سے۔ (یادگار غالب)

؎ نالہ نغمہ ہو جاتا ہے یعنی تیری بزم طرب کی تاثیر سے۔۱۲

؎ طرز تغافل یعنی طرز تغافل عاشق جو اخفائے عشق کی غرض سے برتا جائے۔ شاعر کہتا ہے کہ اگرچہ

ہم محبوب کے سامنے اِس طور سے رہتے ہین کہ اس سے بالکل بے تعلق معلوم ہون لیکن ہماری ازخود رفتگی سے اِس پر سارا حال دل ظاہر ہو جاتا ہی-۱۲

سلہ بیٹھنا کا تعلق دو لفظون سے ہی یعنی ایک تو بیٹھنا نقش مدعا ے غیر کا یعنی برآنا مدعاے رقیب کا دوسرے بیٹھنا دل عاشق کا بے طاقتی و مایوسی کے سبب سے۔

سلہ اس کی تصویر مصور سے بھی ناز کرتی ہی کہ جس قدر مصور اُسے کھینچتا ہی اُسی قدر وہ اُس سے اکڑ جاتی ہے-۱۲ نقش کے ساتھ کھینچتا جاے ہی" خاص لطف رکھتا ہی-۱۲

گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے	۱	تب امان ہجر مین دی بردلیالی نے مجھے
نسیہ و نقد دو عالم کی حقیقت معلوم	۲	لے لیا مجھ سے مری ہمت عالی نے مجھے
کثرت آرائی وحدت ہی پرستاری وہم		کر دیا کافر ان اصنام خیالی نے مجھے
ہوس گل کا تصور مین بھی کھٹکا نہ رہا		عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

سلہ گرمی فریاد کے باعث سے شبہاے ہجر کی سردی سے مجھکو امان ملی-۱۲

سلہ میری ہمت عالی نے مجھ کو مجھ سے لے لیا یعنی میری ہمت عالی نے یہ گوارا نہ کیا کہ مین نقد دنیا یا نسیہ عقبیٰ کے عوض مین بک جاؤن جن کی مقدار بے حقیقت اور میری خریداری کے لیے کافی نہین ۱۲

کارگاہ ہستی مین لالہ داغ سامان ہے	۱	برق خرمن راحت خون گرم دہقان ہے
غنچہ تا شگفتنہا برگ عافیت معلوم	۲	باوجود دلجمعی خواب گل پریشان ہے
ہم سے رنج بے تابی کس طرح اُٹھایا جائے	۳	داغ پشت دست عجز شعلہ خس بدندان ہے

سلہ دہقان کی سعی گل کے حق مین اُسکے یعنی گل کے خرمن راحت کے لیئے برق کا کام دیتی ہے۔ دیکھو وہ لالے کے درخت پر اس قدر کوشش کرتا ہی لیکن اُس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا ہی کہ گل لالہ داغ بدل ہو جاتا ہی-۱۲

سلہ تا شگفتنہا یعنی کھلنے کے وقت تک برگ بمعنی ساز و سامان معلوم بمعنی معدوم۔ خواب گل پریشان سے کنایہ اس امر کی جانب ہی کہ اُس کی پنکھڑیون مین بکھر جانے کا مادہ پنہان ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ کھلنے کے وقت تک غنچے کے ایے آرام و عافیت کا باقی رہنا ناممکن ہی- کیونکہ ظاہر مین اگرچہ [illegible] صورت سے اُس کی دلجمعی کا خیال ہوتا ہے لیکن حقیقت مین اسکی پنکھڑیون مین

پریشانی کا مادہ پنہان ہوتا ہی

۳ه جب داغ اور شعلہ بزبان حال اظہار عجز کرتے ہین اور بے تابی کی تکلیف برداشت نہین کر سکتے تو بھلا ہم سے رنج مبتائی کیونکر اُٹھے گا۔۱۲ شعلہ کا خس بدندان ہونا اور داغ کی مشابہت پشت دست عجز سے ظاہر ہے۔۱۲

اُگ رہا ہی در و دیوار سے سبزہ غالب		ہم بیابان مین ہین اور گھر مین بہار آئی ہے
سادگی پر اُسکے مرجانے کی حسرت دل مین ہے	۱ه	بس نہین چلتا کہ پھر خنجر کف قاتل مین ہے
دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا	۲ه	مین نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل مین ہے
گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با این ہمہ		ذکر میرا مجھ سے بہتر ہی کہ اس محفل مین ہے
بس ہجوم ناامیدی خاک مین ملجائے گی	۳ه	یہ جو اک لذت ہماری سعی بیحاصل مین ہے
رنج رہ کیون کھینچیے واماندگی کو عشق ہے	۴ه	اُٹھ نہین سکتا ہمارا جو قدم منزل مین ہے
جلوہ زار آتش دوزخ ہمارا دل سہی		فتنۂ شور قیامت کسکی آب و گل مین ہے

۵ه	ہے دل شوریدۂ غالب طلسم پیچ و تاب رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل مین ہے	

۱ه ہمارے دل مین اسکی سادگی پر مرجانے کی حسرت ہی لیکن پھر بس نہین چلتا کیونکہ اس کے ہاتھ مین خنجر ہے اس لیے مجبوری کشتۂ خنجر ہونا پڑے گا۔۱۲ یا یہ کہ اس کی سادہ لوحی پر مرجانے کی حسرت ہی جو ہم کو خنجر سے مارنا چاہتا ہی اور یہ نہین جانتا کہ ہمین بے خنجر ہی شہید کر سکتا ہی۔

۲ه کسی کے حسن بیان کی اس سے بہتر تعریف نہین ہو سکتی کہ جو بات قائل کے مُنھ سے نکلے وہ سامع کے دل مین اسطرح اترجائے کہ اسکو شبہ ہو کہ یہ بات پہلے ہی سے میرے دل مین تھی۔ (یادگار غالب)

۳ه ہم جانتے ہین کہ ہماری سعی بیکار ہی لیکن پھر بھی اس مین ایک قسم کی لذت ملتی ہی پس اے ہجوم ناامیدی بس کر کہین تیری وجہ سے یہ لذت بھی خاک مین نہ مل جائے۔۱۲

۴ه ہم کو چونکہ واماندگی سے ایک قسم کا عاشقانہ تعلق ہے اس لیے ہمارا جو قدم اُٹھ نہین سکتا (یعنی جو واماندہ ہے) وہ گویا منزل مین ہے (یعنی اپنے مقصد کو پہونچ گیا ہی) پس ہم رنج راہ کیون کھینچین۔۱۲

ف غالب کا خوردہ دل ایک پیچ وتاب کا طلسم ہے پس تو اپنی تمنا پر رحم کر اور اُس کو غالب کے دل سے نکلنے دے تا کہ وہ (تمنا) اِس طلسم پیچ وتاب کی کشمکش سے رہائی پائے ۱۲۔ اِس شعر مین مرزا نے تمنا کے برآنے کے مضمون کو نئی طرح سے ادا کیا ہے۔ امیر مینائی مرحوم کا یہ شعر بھی سنئے ؎

دل آپ کا کہ دل مین جو کچھ ہے سب آپ کا ۔۔۔ دل لیجئے مگر مرے ارمان نکال کے

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی ۔۔۔ دونون کو اک ادا مین رضامند کر گئی

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذت فراق ۔۔۔ تکلیف پردہ داری زخم جگر گئی

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیان کہان ۔۔۔ اُٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

اڑتی پھرے ہے خاک مری کوے یار مین ۔۔۔ بارے اب اے ہوا ہوس بال و پر گئی

دیکھو تو دلفریبی انداز نقش پا ۔۔۔ موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی ۔۔۔ اب آبروے شیوۂ اہل نظر گئی

نظارے نے بھی کام کیا وان نقاب کا ۔۔۔ مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

فردا و دی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا ۔۔۔ ف۱ ۔۔۔ کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی

مارا زمانے نے اسداللہ خان تمھین ۔۔۔ وہ ولولے کہان وہ جوانی کدھر گئی

ف۱ کہتا ہے کہ تمھارے جاتے ہی خود رفتگی و خود فراموشی کی یہ حالت ہوگئی کہ آج اور کل کی مطلق تمیز نہ رہی، اور ایسا ہی قیامت کی نسبت بھی کہا جاتا ہے کہ وہان ماضی و مستقبل دونون مبدل بزمانۂ حال ہوجائین گے۔ بس تم کیا گئے گویا قیامت گذر گئی۔ قیامت گذرنے کے دونون معنی مین نہایت سختی کا زمانہ گذرنا اور خود قیامت کا آجانا۔ ۱۲ (یادگار غالب)

تسکین کو ہم نہ روئین جو ذوق نظر ملے ۔۔۔ ف۱ ۔۔۔ حوران خلد مین تری صورت مگر ملے

اپنی گلی مین مجھ کو نہ کر دفن بعد قتل ۔۔۔ ف۲ ۔۔۔ میرے پتے سے خلق کو کیون تیرا گھر ملے

ساقی گری کی شرم کرو ورنہ آج ہم ۔۔۔ ف۳ ۔۔۔ ہر شب پیا ہی کرتے ہین مے جسقدر ملے

تجھ سے تو کچھ کلام نہین لیکن اے ندیم ۔۔۔ ف۴ ۔۔۔ میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے

تم کو بھی ہم دکھائین کہ مجنون نے کیا کیا ۔۔۔ فرصت کشاکش غم پنہان سے گر ملے

لازم نہین کہ خضر کی ہم پیروی کرین | جانا اک اب بزرگ ہمین ہم سفر ملے

اے ساکنان کوچۂ دلدار دیکھنا
تم کو کہین جو غالب آشفتہ سر ملے

سلہ اگر ہم کو یہ امید ہو کہ حوران بہشت مین کوئی صورت تیری ہی سی ملے گی تو ہم تسکین دل کا عشر
نہ کرین کہ خیر ذوق نظر تو حاصل ہو۔ رہی تسکین دل وہ بغیر تیرے ممکن نہین ہو

سلہ میرے پیچھے سے یعنی میرے مرنے کے پیچھے سے۔ ۱۲

سلہ ساقی گری کی شرم کر یعنی بے اندازہ حوصلہ دو ۱۲

سلہ نامہ بر سے میرا سلام کہیو یعنی بطور طعن کے کہ واہ کیا خوب ہمارا کام کیا۔ ۱۲

کوئی دن گر زندگانی اور ہے | اپنے جی مین ہم نے ٹھانی اور ہے
آتش دوزخ مین یہ گرمی کہان | سوز غمہاے نہانی اور ہے
بارہا دیکھی ہین ان کی رنجشین | پر کچھ اب کے سرگرانی اور ہے
دیکھے خط مُنھ دیکھتا ہے نامہ بر | کچھ تو پیغام زبانی اور ہے
قاطع اعمار ہین اکثر نجوم | وہ بلاے آسمانی اور ہے

ہو چکین غالب بلائین سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

سلہ یعنی اگر کچھ اور زندگی ہوئی تو ہم ترک محبت کی کوشش کرین گے۔

سلہ قاطع اعمار یعنی عمرون کے کاٹنے والے۔ وہ بلاے آسمانی اور ہے یعنی وہ ستمگر نجوم قاطع عمر
سے بھی بڑھکر ہے۔ ۱۲

کوئی امید بر نہین آتی | کوئی صورت نظر نہین آتی
موت کا ایک دن معین ہے | نیند کیون رات بھر نہین آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی | اب کسی بات پر نہین آتی
جانتا ہون ثواب طاعت و زہد | پر طبیعت ادھر نہین آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہون | ورنہ کیا بات کر نہین آتی

کیون نہ چیخون کہ یاد کرتے ہین — میری آواز گر نہین آتی

داغ دل گر نظر نہین آتا — بو بھی اے چارہ گر نہین آتی ۲

ہم وہان ہین جہان سے ہم کو بھی — کچھ ہماری خبر نہین آتی

مرتے ہین آرزو مین مرنے کی — موت آتی ہے پر نہین آتی ۳

کعبے کس منہ سے جاؤگے غالب
شرم تم کو مگر نہین آتی

۱ نیند کے لفظ پر زور دیکر پڑھنے سے مطلب صاف ہو جاتا ہے یعنی موت کا البتہ ایک دن معین ہے اور اسی روز آئے گی آخر نیند کیون نہین آتی ہے کیا یہ بھی موت ہو گئی کہ وقت معین ہی پر آئے گی ۱۲

۲ چارہ گر داغ دل کے وجود کو مشتبہ سمجھتا ہے۔ شاعر اس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اگر تجھکو داغ دل نظر نہین آتا تو کیا اس کی بوے سوختہ بھی نہین آتی پھر اشتباہ کا سبب کیا ہے

۳ موت آتی ہے یعنی آرزوے مرگ مین ۱۲

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے — آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ہم ہین مشتاق اور وہ بیزار — یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے ۱

مین بھی منہ مین زبان رکھتا ہون — کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

جب کہ تجھ بن نہین کوئی موجود — پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہین — غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے

شکن زلف عنبرین کیون ہے — نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے

سبزہ و گل کہان سے آئے ہین — ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید — جو نہین جانتے وفا کیا ہے

ہان بھلا کر ترا بھلا ہوگا — اور درویش کی صدا کیا ہے

جان تم پر نثار کرتا ہون — مین نہین جانتا دعا کیا ہے

مین نے مانا کہ کچھ نہین غالب
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

۱ گویا ابھی عشق کے کوچے مین قدم رکھا ہے اور معشوق و عاشق مین جو راز و نیاز کی باتین ہوتی ہین اُن سے ناواقف ہے اس لیے باوجود اپنے مشتاق ہونے کے معشوق کے بیزار ہونے پر تعجب کرتا ہے (یادگار غالب)

کہتے تو ہو تم سب کہ بتِ غالیہ مو آئے ۔ یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وُو آئے ۱
ہون کشمکشِ نزع مین ہان جذبِ محبت ۔ کچھ کہہ نہ سکون پر وہ مرے پوچھنے کو آئے
ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم ۔ آنا ہی سمجھ مین مری آتا نہین گو آئے
ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگین گے نکیرین ۔ ہان منہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے ۲
جلاد سے ڈرتے ہین نہ واعظ سے جھگڑتے ۔ ہم سمجھے ہوے ہین اُسے جس بھیس مین جو آئے
ہان اہلِ طلب کون سنے طعنۂ نایافت ۔ دیکھا کہ وہ ملتا نہین اپنے ہی کو کھو آئے
اپنا نہین وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھین ۔ اس در پہ نہین بار تو کعبے ہی کو ہو آئے
کی ہم نفسون نے اثرِ گریہ مین تقریر ۔ اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھ کو ڈبو آئے ۳

اس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے غالب
ہم بھی گئے وان اور تری تقدیر کو رو آئے

۱ یہ تو تم سب کہا کرتے ہو کہ خدا کرے وہ بت غالیہ مو آئے لیکن میری یہ تمنا چاہتی ہے کہ کوئی اب تم سے گھبرا کے کہو کہ لو وہ آ گیا ۱۲

۲ بادہ نوشی کی صفت بیان کرتا ہے کہ اسکی بو سے البتہ نکیرین بھاگ جائین گے ورنہ اور کوئی دوسری صورت ان کے ٹلنے کی نہین ہے ۱۲

۳ اثرِ گریہ مین یعنی اثر گریہ کے باب مین "مگر مجھ کو ڈبو آئے" کیونکہ اس پر میرے رونے کی بے اثری ثابت ہوگئی ۱۲

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے ۔ سینہ جویاے زخمِ کاری ہے
پھر جگر کھودنے لگا ناخن ۔ آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے
قبلۂ مقصدِ نگاہِ نیاز ۔ پھر وہی پردۂ عماری ہے ۱
چشم دلالِ جنسِ رسوائی ۔ دل خریدارِ ذوقِ خواری ہے

وہی صد رنگ نالہ فرسائی		وہی صد گونہ اشک باری ہے
دل ہوائے خرام ناز سے پھر		محشرستان بیقراری ہے
جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے	سه	روز بازار جاں سپاری ہے
پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں		پھر وہی زندگی ہماری ہے
پھر کھلا ہے در عدالت ناز	ق	گرم بازار فوجداری ہے
ہو رہا ہے جہان میں اندھیر		زلف کی پھر سرشتہ داری ہے
پھر دیا پارۂ جگر نے سوال		ایک فریاد و آہ و زاری ہے
پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب		اشک باری کا حکم جاری ہے
دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا		آج پھر اس کی روبکاری ہے

بیخودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

سله یعنی پردۂ عماری حسین محبوب جلوہ گر ہے ۔۱۲

سه یعنی جلوۂ یار پھر برسر ناز ہے اور جاں سپاری عشق کا بازار گرم ہے ۔۱۲

جنوں تہمت کش تسکیں نہ ہو گر شادمانی کی	سله	نمک پاش خراش دل ہے لذت زندگانی کی
کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعی آزادی	سله	ہوئی زنجیر موج آب کو فرصت روانی کی
پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہ طفلاں ہے		شرار سنگ نے تربت پہ میری گلفشانی کی

سله قاعدہ ہے کہ تکلیف کی حالت میں اگر تھوڑی دیر کو راحت مل جائے تو تکلیف راحت کے مقابلے کی وجہ سے تکلیف کا احساس اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ اسی بنا پر کہتا ہے کہ ہم نے شادمانی کی۔ (ترجمہ شادمانی کردم) یعنی کسی قدر لذت زندگانی حاصل کی تو اس سے ہمارے جنون پر خواہش تسکین کا الزام عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے تو زخم دل پر اور بھی نمک پاشی ہو جاتی ہے۔۱۲

سله کشاکش ہائے ہستی سے کوئی آزاد نہیں ہو سکتا۔ مثلاً موج آب ہی کو لیجیے کہ اسکی روانی سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ آزاد ہے لیکن غور سے دیکھیے تو روانی ہی کی وجہ سے وہ پابند نظر آئیگی کیونکہ روانی موج سے زنجیر کی صورت نمودار ہو جاتی ہے۔۱۲

تکو ہش ہے سزا فریادیِ بیدادِ دلبر کی — ۱ — مبادا خندۂ دندان نما ہو صبحِ محشر کی
رگِ لیلیٰ کو خاکِ دشتِ مجنون ریشگی بخشے — ۲ — اگر بووے بجاے دانہ دہقان نوک نشتر کی
پرِ پروانہ شاید بادبانِ کشتیِ مے تھا — ۳ — ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی
کرون بیدادِ ذوقِ پرفشانی عرض کیا قدرت — ۴ — کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہپر کی
کہان تک روؤن اسکے خیمے کے پیچھے قیامت ہے — مری قسمت مین یارب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

۱ چونکہ ستم یار کے فریادی کی سزا ملامت ہو اس لیے کیا عجب کہ صبح محشر بھی خندۂ دندان نما ہو (یعنی آمادۂ ملامت ہو) اس واسطے کہ اس دن بیدادِ یار کی فریاد کی جاے گی اور آئین عشق مین یہ امر قابل ملامت ہے۔

۲ اگر دشت مجنون مین دہقان دانے کے بجاے نشتر کی نوک بوے تو اتحاد حسن و عشق کے اثر سے نوک نشتر کی خلش رگہاے لیلیٰ کو بھی محسوس ہو ۱۲ جس طرح لیلےٰ کی فصد کے ساتھ مجنون کی فصد خود بخود کھل گئی تھی۔

۳ چونکہ دور ساغر کی روانی گرمی مجلس پر منحصر تھی اور گرمی محفل سوز پر پروانہ پر اس لیے پر پروانہ گویا کشتی مے کا بادبان ٹھیرا کہ اسی کی وجہ سے دور ساغر کشتی مے ظہور مین آیا۔ ۱۲

۴ پرفشانی یعنی اڑنا۔ اڑنے سے پہلے ہی میرے شہپر سے طاقت پرواز جاتی رہی اب ذوق پرفشانی کی بیداد بیان سے باہر ہے کہ اڑنا چاہتا ہون لیکن اڑ نہین سکتا۔ ۱۲

بے اعتدالیون سے سبک سب مین ہم ہوے — جتنے زیادہ ہوگئے اتنے ہی کم ہوے
پنہان تھا دام سخت قریب آشیان کے — اڑنے نہ پاے تھے کہ گرفتار ہم ہوے
ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے — ۱ — یان تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوے
سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر — وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوے
تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر مین — تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوے
لکھتے رہے جنون کی حکایاتِ خونچکان — ہرچند اسمین ہاتھ ہمارے قلم ہوے
اللہ ری تیری تندیِ خو جسکے بیم سے — ۲ — اجزاے نالہ دل مین مرے رزقِ ہم ہوے
اہلِ ہوس کی فتح ہے ترکِ نبردِ عشق — ۳ — جو پانون اٹھ گئے وہی ان کے علم ہوے

ہے

نالے عدم مین چند ہمارے سپرد تھے | سلہ | جو وان نہ کھنچ سکے سو وہ یان آکے دم ہوئے

چھوڑی اسد نہ ہم نے گدائی مین دل لگی
سائل ہوئے تو عاشق اہل کرم ہوئے

سلہ گویا اپنی ہستی کو فنا قرار دیا جس کا وجود برائے نام صرف قسم کھانے کے لیے باقی ہے۔
سٹہ اُن کے غصے کے خوف سے نالہ دل کا دل ہی مین فنا ہوگیا اور باہر نہ نکل سکا۔ [illegible]
سکہ اُٹھ گئے دو معنی لیے ہین۔ ایک تو پاؤن اٹھ گئے [illegible] جو سر سے اٹھ گئے وہ معمولی معنون مین یعنے "بلند ہوئے" اور گویا علم [illegible] ۔۱۲
سکہ (نثر) عدم مین چند نالے ہمارے سپرد تھے اُن مین سے جو نالے وہان نہ کھنچ سکے وہ دنیا مین سانس کی شکل مین ظاہر ہوئے۔ غالب اپنے سراپا درد ہونے کو اس پہلو سے بیان کرتا ہے کہ میرا ہر نفس گویا نالہ ہے ۱۲

جو نقد داغ دل کی کرے شعلہ پاسبانی | سلہ | تو فسردگی نہان ہے بہ کمین بے زبانی
مجھے اُس سے کیا توقع بزمانۂ جوانی | | کبھی کودکی مین جس نے نہ سنی مری کہانی
یونہی دکھ کسی کو دینا نہین خوب ورنہ کہتا | سٹہ | کہ مرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی

سلہ اگر محبت کی گرمی داغ دل کی حفاظت نہ کرے تو افسردگی (جو خاموشی و بے زبانی سے پیدا ہوتی ہے) اس داغ کو مٹا دے۔ ۱۲ بے زبانی کا لفظ شعلے کی رعایت زبان کے لحاظ سے مناسب ہے۔
سٹہ یعنی دعا کرتا کہ عدو کو میری سی زندگی نصیب ہو جو سراپا مصیبت ہے ۔۱۲

ظلمت کدے مین میرے شب غم کا جوش ہے | سلہ | اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے
نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال | سٹہ | مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے
مے نے کیا ہے حسن خود آرا کو بے حجاب | سکہ | اے شوق یان اجازت تسلیم ہوش ہے
گوہر کو عقد گردن خوبان مین دیکھنا | | کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے
دیدار بادہ، حوصلہ ساقی نگاہ مست | | بزم خیال مے کدۂ بے خروش ہے

سلہ شب غم کا جوش ہے یعنی اندھیرا ہی اندھیرا ہے گویا سحر ناپید ہے۔ ہان ایک دلیل صبح کی بودی ہے یعنی بجھی ہوئی شمع اس راہ سے کہ ہمیشہ صبح کو بجھ جایا کرتی ہے لطف اس مضمون کا یہ ہے کہ جس شے کو دلیل صبح ٹھیرایا وہ خود ایک سبب ہے منجملہ اسباب تاریکی کے پس دیکھنا چاہیے کہ جس گھر مین علامت صبح موید ظلمت

ہو وہ گھر کتنا تاریک ہوگا ۱۲۔ (از عود ہندی بہ تبدیلی عبارت از راقم)

ف ۳ "آشتی چشم و گوش ہے" کیونکہ دونوں محروم ہیں کان کو مژدۂ وصال نصیب ہے نہ آنکھ کو نظارۂ جمال ۱۲۔

ف ۵ ایسی حالت میں کہ شراب نے حسن خود آرا کو بے حجاب کر دیا ہے اب شوق تجھ کو بھی اجازت ہے کہ ہوش و حواس یا صبر و ضبط کو کچھ دیر کے لیے چھوڑ دے ۱۲۔

ف ۶ محفل خیال کو میکدہ بے خروش قرار دیا ہے جمال دیدار بادہ ہے اور حوصلہ بمنزلہ ساقی اور نگاہ بمنزلہ مست ہے۔ ۱۲ حوصلہ کو ساقی اس لیے کہا کہ تصور یار کی حالت میں عاشق کو اختیار ہے کہ بقدر حوصلہ اپنی نگاہ شوق کو شراب دیدار سے مستی اندوز کرے ۱۲۔

قطعہ

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل — زنہار اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے
ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی — مطرب بنغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے
لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ — یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے
یا صبح دم جو دیکھیے آکر تو بزم میں — نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

آ کہ مری جان کو قرار نہیں ہے — طاقتِ بیدادِ انتظار نہیں ہے
دیتے ہیں جنت حیاتِ دہر کے بدلے — نشہ باندازۂ خمار نہیں ہے
گریہ نکالے ہے تیری بزم سے مجھ کو — ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے
ہم سے عبث ہے گمانِ رنجشِ خاطر — خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے
دل سے اٹھا لطفِ جلوہ ہائے معانی (ف ۵) — غیرِ گل آئینۂ بہار نہیں ہے
قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے — وائے اگر عہد استوار نہیں ہے

تو نے قسم میکشی کی کھائی ہے غالبؔ
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

سلہ بہار کی نمود اسی وقت تک ہے جب تک کہ گل قائم ہے لیکن چونکہ قیام شگفتگی گل ناپائدار ہے اس لیے بہار بھی ناپائدار ہے پس اس سے بہتر ہے کہ دل سے جلوہ ہائے معانی کا لطف اُٹھایا جائے کیونکہ لطف سخن کی بہار بے خزاں ہے۔ ۱۲۔ یا یہ کہ جسطرح گل حسن بہار کا آئینہ ہوتا ہے اسی طرح دل میں حسن معانی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ ۱۲

ہجوم غم سے یاں تک سرنگونی مجھکو حاصل ہے ۔۔۔ کہ تار دامن و تار نظر میں فرق مشکل ہے
رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی ۔۔۔ سلہ سمجھیو مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

وہ گل جس گلستان میں جلوہ فرمائی کرے غالبؔ
چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ہے

سلہ اس مضمون کا ایک شعر اور بھی مرزا نے لکھا ہے ؎

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن ۔۔۔ غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں

پا بدامن ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرا نورد ۔۔۔ سلہ خار پا ہیں جوہر آئینۂ زانو مجھے
دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت ۔۔۔ ہے نگاہ آشنا تیرا سر ہر مو مجھے
ہوں سراپا ساز آہنگ شکایت کچھ نہ پوچھ ۔۔۔ ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

سلہ میں کہ صحرا نوردی کا عادی تھا اس لیے مجھکو (بر بنائے مایوسی و مجبوری) اس طرح پر پا بدامن بیٹھنا سخت تکلیف دہ ہے پا بدامن ہونے کی حالت میں چونکہ سرنگون بیٹھتے ہیں یا د نگاہ زانو کی جانب ہوتی ہے اس لیے آئینۂ زانو کا استعارہ استعمال کیا اس آئینے کا جوہر وہ کانٹے ہیں جو پاؤں میں چبھے تھے ۔۱۲

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے ۔۔۔ جاں کالبد صورت دیوار میں آوے
سائے کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر ۔۔۔ سلہ تو اس قد دلکش سے جو گلزار میں آوے
تب ناز گراں مائگی اشک بجا ہے ۔۔۔ جب لخت جگر دیدۂ خونبار میں آوے
دے مجھکو شکایت کی اجازت کہ ستمگر ۔۔۔ کچھ تجھکو مزا بھی مرے آزار میں آوے

اُس چشم فسون گر کا اگر پاے اشارا — طوطی کی طرح آئینہ گفتار مین آوے
کانٹون کی زبان سوکھ گئی پیاس سے یارب — اِک آبلہ پا وادی پُر خار مین آوے
مر جاؤن نہ کیون رشک سے جب وہ تن نازک — آغوش خم حلقۂ زنار مین آوے
غارتگر ناموس نہ ہو گر ہوس زر — کیون شاہد گل باغ سے بازار مین آوے
تب چاک گریبان کا مزا ہے دل نالان — جب اِک نفس اُلجھا ہوا ہر تار مین آوے
آتشکدہ ہے سینہ مرا راز نہان سے — اے وائے اگر معرض اظہار مین آوے

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار مین آوے

؎ اس قدر دلکش سے یعنی اس قدر دلکش کے ساتھ "ترجمہ ہو" با این قدر دلکش" کا ۱۲

حسن مہ گرچہ بہ ہنگام کمال اچھا ہے — اس سے میرا مہ خورشید جمال اچھا ہے
بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ — جی مین کہتے ہین کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے
اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا — ساغر جم سے مرا جام سفال اچھا ہے
بے طلب دین تو مزا اس مین سوا ملتا ہے — وہ گدا جس کو نہ ہو خوے سوال اچھا ہے
اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق — وہ سمجھتے ہین کہ بیمار کا حال اچھا ہے
دیکھیے پاتے ہین عشاق بتون سے کیا فیض — اِک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے
ہم سخن تیشے نے فرہاد کو شیرین سے کیا — جس طرح کا کہ کسی مین ہو کمال اچھا ہے
قطرہ دریا مین جو مل جاے تو دریا ہو جاے — کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے
خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سرسبز ؎ — شاہ کے باغ مین یہ تازہ نہال اچھا ہے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

؎ خضر سلطان فرزند بہادر شاہ ظفر

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی — امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی
خار خار الم حسرت دیدار تو ہے ؎ — شوق گلچین گلستان تسلی نہ سہی

مے پرستان خم مے منھ لگاتے ہی بنی
ایک دن گر نہ ہوا بزم مین ساقی نہ سہی

۲؎ نفس قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا
گر نہین شمع سیہ خانۂ لیلی نہ سہی

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

نہ ستایش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہین ہین مرے اشعار مین معنی نہ سہی

عشرت صحبت خوبان ہی غنیمت سمجھو
نہ ہوئی غالب اگر عمر طبیعی نہ سہی

ا؎ اگر شوق تسلی کے گلستان کا گلچین نہین ہے یعنی اگر شوق کو تسلی حاصل نہین ہوتی تو نہ سہی اسکے لیے حسرت دیدار کا رنج کافی ہے۔

۲؎ نثر۔ اگر نفس قیس (جو چشم و چراغ صحرا ہے) شمع سیہ خانۂ لیلی نہین ہے تو نہ سہی۔ ۱۲ سیہ خانۂ لیلی "خیمۂ سیاہ لیلی" کی مناسبت سے کہا۔ غالب نے اس شعر مین عشق کی شان استغنا کا اظہار کیا ہے۔

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہین ہم آگے
ا؎ کہ اپنے سائے سے سر پانون سے ہے دو قدم آگے

قضا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت
فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے

غم زمانہ نے جھاڑی نشاط عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذت الم آگے

خدا کے واسطے داد اس جنون شوق کی دینا
کہ اسکے در پہ پہنچتے ہین نامہ بر سے ہم آگے

یہ عمر بھر جو پریشانیان اٹھائی ہین ہم نے
۲؎ تمھارے آئیو اے طرہ ہاے خم بخم آگے

دل و جگر مین پر افشان جو ایک موجۂ خون ہے
ہم اپنے زعم مین سمجھے ہوے تھے اسکو دم آگے

قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہین غالب
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

ا؎ مرنے کے شوق شہادت کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ (جیسا کہ سائے مین ہوتا ہے) پانون سے بھی دو قدم آگے ہے۔ ۱۲

۲؎ بد دعا مین دعا کا پہلو نکالا ہے کیونکہ پریشان ہونا زلف کی صفت ہے۔ ۱۲

شکوے کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے
ا؎ یہ بھی مت کہہ کہ جو کہیے تو گلا ہوتا ہے

پر ہون مین شکوے سے یون راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

گو سمجھتا نہین پر حسن تلافی دیکھو
۲؎ شکوۂ جور سے سرگرم جفا ہوتا ہے

عشق کی راہ میں ہے چرخ مکوکب کی وہ چال
سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

کیوں نہ ٹھہریں ہدف ناوک بیداد کہ ہم
آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے

خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ
کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

قطعہ

خامہ میرا کہ وہ ہے باربد بزم سخن
شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے

اے شہنشاہ کواکب سپہ و مہر علم
تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے

سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے
تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے

ہر مہینے میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال
آستان پر ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہے

میں جو گستاخ ہوں آئین غزل خوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

۱؎ یہ بھی نہ کہو کہ وہ بے مہر شکوے کے نام سے خفا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایسا کہنا بھی تو شکوے میں داخل ہوگا

۲؎ اگرچہ محبوب کو یہ خبر نہیں ہے کہ اسکا سرگرم جفا ہونا ایک طرح پر حسن تلافی ہو جائیگا بقول غالب ؎

نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہیں
ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں

اس پر بھی "شکوہ جو رسے سرگرم جفا ہوتا ہے"

۱؎

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

نہ شعلے میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا
کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہے

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے
وگرنہ خوف بد آموزی عدو کیا ہے

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

وہ چیز جسکے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز — سوائے بادۂ گلفام مشکبو کیا ہے

پیون شراب اگر خم بھی دیکھ لون دوچار — یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی — تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر مین غالب کی آبرو کیا ہے

ف رقیب جو میری بدگوئی کرتا ہے اسکا مجھے اندیشہ نہین البتہ رشک اس بات کا ہے کہ وہ تجھسے ہمکلام ہوتا ہے۔

مین اُنھین چھیڑون اور کچھ نہ کہین — چل نکلتے جو مے پیے ہوتے

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو — کاشکے تم مرے لیے ہوتے

میری قسمت مین غم گر اتنا تھا — دل بھی یارب کئی دیے ہوتے

آ ہی جاتا وہ راہ پر غالب
کوئی دن اور بھی جیے ہوتے

غیر لین محفل مین بوسے جام کے — ہم رہین یون تشنہ لب پیغام کے

خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ — ہتھکنڈے ہین چرخ نیلی فام کے

خط لکھین گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو — ہم تو عاشق ہین تمھارے نام کے

رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم — دھوئے دھبے جامۂ احرام کے

دل کو آنکھون نے ستایا کیا مگر — یہ بھی حلقے ہین تمھارے دام کے

شاہ کی ہے غسل صحت کی خبر — دیکھیے کب دن پھرین حمام کے

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

پھر اس انداز سے بہار آئی — کہ ہوے مہر و مہ تماشائی

دیکھو اے ساکنان خطۂ خاک — اس کو کہتے ہین عالم آرائی

کہ زمین ہو گئی ہے سر تا سر — روکش سطح چرخ مینائی

سبزے کو جب کہین جگہ نہ ملی — بن گیا روے آب پر کائی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے — چشم نرگس کو دی ہے بینائی
ہے ہوا مین شراب کی تاثیر — ۱ — بادہ نوشی ہے بادپیمائی

کیون نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
شاہ دیندار نے شفا پائی

۱ جب ہوا مین شراب کی تاثیر ہے تو بادہ پیمائی کار بے فائدہ ہے۔ ۱۲

تغافل دوست ہون میرا دماغ عجز عالی ہے — ۱ — اگر پہلو تہی کیجیے تو جا میری بھی خالی ہے
رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہونے سے — ۲ — بھرے ہین جسقدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

۱ میرے عجز کا درجہ یہان تک بڑھا ہوا ہے کہ مین تغافل کو دوست رکھنے لگا ہون پس اس صورت مین ظاہر ہے کہ اگر آپ پہلوتہی کرینگے تو گویا میرا پاس کرین گے کیونکہ مین تغافل اور پہلوتہی کو دوست رکھتا ہون مصداق سے ہمکو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز + نامہربان نہین ہے اگر مہربان نہین۔
قاعدہ ہے کہ محفل مین لوگ عام طور پر اپنی منزلت اور خاطر چاہتے ہین لیکن بعضے لوگ بمقتضائے کمال کسرنفسی یہی چاہتے ہین کہ ان کی آؤ بھگت نہو۔ ایک بات اور بھی قابل غور ہے کہ اگر محفل میں بہت سے لوگون کے ساتھ کوئی اس سے سچی محبت رکھنے والا بھی ہو تو یہ بات یقینی ہے کہ محبوب اوروں سے تو ملتفت ہوگا اور اس سے تغافل کرے گا۔ اہل دل پر روشن ہے کہ یہ تغافل التفات سے بہتر ہے۔ ۱۲

۲ یعنی اہل ہمت کے نہونے سے عالم آباد رہا۔ کیونکہ اہل ہمت دنیا کو ہیچ سمجھکر اس کی جانب التفات نہ کرتے اور دنیا ویران ہوجاتی۔ دوسرا مصرعہ مثالیہ ہے ۱۲

کب وہ سنتا ہے کہانی میری — اور پھر وہ بھی زبانی میری
خلش غمزۂ خونریز نہ پوچھ — ۱ — دیکھ خونابہ فشانی میری
کیا بیان کرکے مرا روئین گے یار — مگر آشفتہ بیانی میری
ہون زخود رفتۂ بیدای خیال — ۲ — بھول جانا ہے نشانی میری
متقابل ہے مقابل میرا — ۳ — رک گیا دیکھ روانی میری
قدر سنگ سر رہ رکھتا ہون — سخت ارزان ہے گرانی میری

گرد بادِ رہِ بیتابی ہون ؎٤ صرصرِ شوق ہے بانی میری
دہن اُس کا جو نہ معلوم ہوا کھل گئی ہیچمدانی میری

کر دیا ضعف نے عاجز غالبؔ
ننگ پیری ہے جوانی میری

؎١ یعنی میری خونِ نا بہ فشانی کو دیکھ کر اُس کے غمزۂ خون ریز کی خلش کی کیفیت واضح ہو جائے گی ١٢

؎٢ مین صحرائے خیال کا از خود رفتہ ہون اور وارفتگی ہی میری نشانی یا پہچان ہی ١٢

؎٣ "متقابل ہی" یعنی بہ تصنع مقابل ہی مطلب یہ ہے کہ حریف میری لسانی (روانی طبع) کو دیکھکر درحقیقت قائل ہوگیا ہی" لیکن ظاہر مین محض اپنی بات کی پچ کے لیے بہ تصنع مقابلہ کیے جاتا ہی ١٢

راقم نے اس شعر کے یہ معنی لکھے تھے لیکن بعد کو عود ہندی مین مرزا صاحب کا ایک خط مولوی عبد الرزاق صاحب شاکر کے نام نظر سے گذرا جسمین اس شعر کے متعلق لکھا ہے :-

"تقابل و تضاد کو کون نہ جانے گا۔ نور ظلمت۔ شادی غم۔ رنج و راحت۔ وجود و عدم۔ لفظ مقابل اِس مصرعے مین بمعنی مرجع ہے جیسے حریف کہ بمعنی دوست کے بھی مستعمل ہے مفہوم شعر یہ ہے کہ ہم اور دوست از روے خود عادت ضدِ یکدگر ہین۔ وہ میری طبع روانی دیکھ کر رُک گیا ١٢

؎٤ گرد باد یعنی بگولا جو ہوائے تیز سے پیدا ہوتا ہی۔ شاعر اپنے کو راہ بیتابی کا گرد باد قرار دیتا ہے جو صرصرِ شوق سے پیدا ہوا ہے ١٢

نقش نازِ بتِ طناز بآغوشِ رقیب ؎١ پاے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے
تو وہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے
وہ تبِ عشق تمنا ہے کہ پھر صورتِ شمع ؎٢ شعلہ تا نبض جگر ریشہ دوانی مانگے

؎١ یعنی آغوشِ رقیب مین اُس بتِ طناز کی تصویر ناز کے لیے خامۂ مانی کے بجاے پاے طاؤس کی ضرورت ہے۔ "طاؤس حسین ہوتا ہی لیکن پاے طاؤس بدنما ہوتے ہین اسی طرح سے نقشِ نازِ بتِ طناز خوب ہے لیکن "بآغوشِ رقیب" ٹھیک نہین پاے طاؤس کے قلم کی اسی مناسبت سے ضرورت ظاہر کی گئی۔

؎٢ "وہ تبِ عشق تمنا ہے" ترجمہ ہی "آن تبِ عشق تمنا دارم" کا یعنی مجھکو ایسے تپ عشق کی تمنا ہی جسکا شعلہ

گلشن کو تری صحبت ازبسکہ خوش آئی ہے — ہر غنچے کا گل ہونا آغوش کشائی ہے
واں کنگر استغنا ہر دم ہے بلندی پر — یاں نالے کو اور الٹا دعوائے رسائی ہے
ازبسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے — سلہ جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے

سلہ داغ صورت مین آنکھ سے مشابہ ہوتا ہو پس داغ گویا نالہ و فریاد پر چشم نمائی کرتا ہو اور ضبط کی تاکید کرتا ہے۔۱۲

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی — لکھدیجیو یارب اُسے قسمت مین عدو کی
اچھا ہے سر انگشت حنائی کا تصور — دل مین نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی
کیون ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے — یان تو کوئی سنتا نہین فریاد کسو کی
دشنے نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو — خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب
حسرت مین رہے ایک بت عربدہ جو کی

سلہ اپنی ایذا دوستی کا ثبوت دیتا ہو۔ کہتا ہو کہ مین ایسا زخم نہین چاہتا جسکے رفو کی تدبیر ہو سکتی ہو ۱۲

سیماب پشت گرمی آئینہ دے ہے ہم — سلہ حیران کیے ہوئے ہین دل بیقرار کے
آغوش گل کشودہ برائے وداع ہے — اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

سلہ پہلا مصرعہ مثالیہ ہی۔ دل بیقرار کو سیماب سے اور اپنی حیرانی کو آئینے سے مشابہ کیا ہے مطلب یہ ہے کہ جسطرح پارے کی قلعی سے شیشہ آئینہ بنجاتا ہو اسی طرح بیقراری نے مجھکو آئینہ حیرت بنا دیا ہے۔۱۲

ہے وصل ہجر عالم تمکین و ضبط مین — سلہ معشوق شوخ و عاشق دیوانہ چاہیے
اس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہان — شوق فضول و جرأت رندانہ چاہیے

سلہ کہتا ہو کہ وصل مین محبوب کی جانب سے شوخی اور عاشق کی جانب سے بیباکی کا اظہار ہونا چاہیے کیونکہ اگر اس حالت مین بھی ضبط و تمکین کا لحاظ رکھا جائیگا تو ایسا وصل بھی گویا ہجر ہی رہے گا۔۱۲

چاہیے اچھون کو جتنا چاہیے — یہ اگر چاہین تو پھر کیا چاہیے
صحبت رندان سے واجب ہے حذر — جاے مے اپنے کو کھینچا چاہیے
چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل — بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے

چاک مت کر جیب بے ایام گل		کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیے
دوستی کا پردہ ہے بیگانگی	سلہ	مُنھ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے
دشمنی نے میری کھویا غیر کو	سٹہ	کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے
اپنی رسوائی مین کیا چلتی ہے سعی		یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے
منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید		ناامیدی اسکی دیکھا چاہیے
غافل ان مہ طلعتون کیواسطے		چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

چاہتے ہین خوب رویون کو اسد
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

سلہ کہتا ہے کہ تم مجھ سے خصوصیت کے ساتھ منھ چھپانا چھوڑ دیتی جسطرح سب کے ساتھ بے تکلف بے حجاب اور بیگانہ وار رہتے ہو اسی طرح سے میرے ساتھ بھی رہو کیونکہ اس قسم کی بیگانگی دوستی کا پردہ ہوتی ہے یعنی اُس سے لوگون کو محبت کا حال معلوم نہین ہونے پاتا ۱۲

سٹہ دیکھنا چاہیے کہ رقیب میرا کس حد دشمن ہے کہ میری دشمنی کے پیچھے آپ بھی تباہ ہوگیا کیونکہ محبوب اس سے بھی بدگمان ہوگیا ۱۲

ہر قدم دوری منزل ہے نمایان مجھ سے	سلہ	میری رفتار سے بھاگے ہے بیابان مجھ سے
درس عنوان تماشا بہ تغافل خوشتر	سٹہ	ہے نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگان مجھ سے
وحشت آتش دل سے شب تنہائی مین		صورت دود رہا سایہ گریزان مجھ سے
غم عشاق نہ ہو سادگی آموز بتان	ستہ	کس قدر خانۂ آئینہ ہے ویران مجھ سے
اثر آبلہ سے جادۂ صحراے جنون	سکہ	صورت رشتۂ گوہر ہے چراغان مجھ سے
بیخودی بستر تمہید فراغت ہوجو	شہ	پُر ہے سایے کی طرح میرا شبستان مجھ سے
شوق دیدار مین گر تو مجھے گردن مارے	سلہ	ہو نگہ مثل گل شمع پریشان مجھ سے
بیکسیہاے شب ہجر کی وحشت ہے ہے	سٹہ	سایہ خورشید قیامت مین ہے پنہان مجھ سے
گردش ساغر صد جلوۂ رنگین تجھ سے	شہ	آئینہ داری یک دیدۂ حیران مجھ سے
نگہ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسد		ہے چراغان خس و خاشاک گلستان مجھ سے

۱؎ اپنی رفتار کی ناکامی کا بیان بہ غلو کرتا ہو کہ ہر قدم پر بجائے نزدیک ہونے کے منزل مقصود دور ہوتی جاتی ہے ۔۱۲

۲؎ ظاہر ہے کہ رشتۂ شیرازۂ مژگان غیر محسوس ہوتا ہو پس مطلب یہ ظاہر اکہ کتاب دیدار یا کے عنوان کا درس یار (بمجرد استعارات) محبوب کے دیدار کا لطف ایسی حالت مین کہ ہم اُسے دیکھین اور اُسے ہمارے اپنی دیکھنے کا علم نہو ۔۱۲

۳؎ یعنی یہ مناسب نہین ہو کہ عشاق کے غم مین محبوب ترک آرایش کر کے سادگی اختیار کرے اور آئینہ دیکھنا چھوڑ دے اور اس طور پر خانۂ آئینہ ویران ہو جائے ۔۱۲

۴؎ آبلے کو گوہر روشن اور جادۂ صحرا کو رشتۂ گوہر سے تشبیہ دیا ہو ۔۱۲

۵؎ ظلِ ہمایون (جس کو بستر بہیمہ فراغت ہونا نصیب ہے) ہمارا مقصد تو یہ ہی ہو کہ پیچ سایے کا شبستان سائے سے پہرتا ہے مطلب یہ ہے کہ بدنامی تہِ دیوار و در ہاتھا کہ پر آرام پڑا ہوا ہون ۔۱۲

۶؎ شمع کا گل جب کترا جاتا ہو تو اُسکے اجزا پریشان و برہم ہو جاتے ہین ۔ غالب کہتا ہے کہ اگر تو مجھے گردن مارے تو میری نگاہ بربنائے شوق دیدار گل شمع کی مانند پریشان ہو جائے یعنی ایک نگاہ کی کئی نگاہین ہو جائین ۔۱۲

۷؎ بقول شاعر کسی کا کب کوئی روز سیہ مین ساتھ دیتا ہو کہ تاریکی مین سایہ بھی جدا رہتا ہو انسان سے

۸؎ برابر کے کیا خوب بلیغ مصرعے لکھے ہین ۔ مطلب یہ ہو کہ جلوۂ حسن کا تعلق تجھ سے ہو اور حیرت شوق مجھ سے ۔۱۲

نکتہ چین ہے غم دل اُسکو سنائے نہ بنے ۔ کیا بنے بات جہان بات بنائے نہ بنے
مین بلاتا تو ہون اس کو مگر اے جذبۂ دل ۔ اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے
کھیل سمجھا ہے کہین چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے ۔ کاش یون بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے
غیر پھرتا ہے لیے یون ترے خط کو کہ اگر ۔ کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے
اس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہین تو کیا ۔ ہاتھ آوین تو اُنھین ہاتھ لگائے نہ بنے
کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے ۔ پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اُٹھائے نہ بنے

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے ۱ تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

۱ موت کی راہ دیکھنے سے کیا فائدہ کہ وہ تو خواہ مخواہ آئے ہی گی۔ تمھاری ہی خواہش کرنا چاہیے کہ اگر تم نہ آؤ تو مجھے بلاتے بھی نہ بن پڑے۔ ۱۲

چاک کی خواہش اگر وحشت بہ عریانی کرے ۱ صبح کے مانند زخم دل گریبانی کرے

جلوے کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجے خیال دیدۂ دل کو زیارتگاہ حیرانی کرے

ہے شکستن سے بھی دل نومید یا رب کب تلک ۲ آبگینہ کوہ پر عرض گرانجانی کرے

میکدہ گر چشم مست ناز سے پاوے شکست ۳ موئے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے

خط عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد ۴ یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

۱ عریانی کی حالت میں اگر وحشت کو گریبان چاک کرنے کی خواہش پیدا ہو تو میرا زخم دل صبح کے مانند گریبان بن کر چاک ہو۔

۲ ہم کب تک یہ خواہش کریں کہ وہ سنگ دل تغافل شعار ہماری دل شکنی ہی کرے اور وہ اسیر بھی منظور نہیں ہوا۔ ۱۲ یعنی تغافل شعاری اُسے دل شکنی کی بھی اجازت نہ دے۔

۳ اگر میکدہ محبوب کی مست ناز آنکھ سے شکست پاوے تو ساغر میں جو بال پڑیں وہ گویا دیدۂ ساغر کے لیے پلکیں بن جائیں اور چشم ساغر مثل چشم یار ہو جاوے واللہ اعلم۔

۴ خط عارض سے یعنی بذریعہ خط عارض۔ عارض یار پر جو خط نمایان ہوا ہے وہ ایک عہدنامہ ہے جو الفت نے زلف کو لکھ دیا ہے کہ میرے حق میں پریشانی کو جو کچھ کرنا ہو کرے مجھے سب منظور ہے۔ ۱۲

وہ آ کے خواب میں تسکین اضطراب تو دے ولے مجھے تپش دل مجال خواب تو دے

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے

دکھا کے جنبش لب ہی تمام کر ہم کو نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے ۔۔۔ پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
کہا جو اُس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

تپش سے میری وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے ۔۔۔ مرا سر رنجِ بالیں ہے مرا تن بارِ بستر ہے
سرشکِ سر بصحرا دادہ نور العینِ دامن ہے ۔۔۔ دلِ بے دست و پا افتادہ برخوردارِ بستر ہے
خوشا اقبالِ رنجوری عیادت کو تم آئے ہو ۔۔۔ ۱ فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے
بطوفاں گاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی ۔۔۔ ۲ شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تارِ بستر ہے
ابھی آتی ہے بو بالش سے اُسکی زلفِ مشکیں کی ۔۔۔ ۳ ہماری دید کو خوابِ زلیخا عارِ بستر ہے

کہوں کیا دل کی حالت کیا ہے ہجرِ یار میں غالب
کہ بے تابی سے ہر اک تارِ بستر خارِ بستر ہے

۱ تمہارے آنے کی وجہ سے طالعِ بیدارِ بستر فروغِ شمعِ بالیں ہے یعنی طالعِ بیدار کی درخشندگی شمعِ بالیں کی روشنی سے بھی بڑھ گئی ہے ۱۲

۲ بطوفانگاہ اضطرابِ شامِ فراق ہر تارِ بستر شعاعِ آفتابِ قیامت سے مشابہ ہے ۱۲

۳ ابھی بالش سے محبوب کے گیسوے معنبر کی خوشبو آتی ہے یعنی شبِ وصل کو گذرے ہوئے کچھ بہت زمانہ نہیں ہوا ایسی حالت میں زلیخا کی طرح صرف خواب میں دیدارِ یار کا حاصل ہونا ہمارے بستر کے لیے سببِ عار ہے ۱۲

خطر ہے رشتۂ الفت رگِ گردن نہ ہو جائے ۔۔۔ ۱ غرورِ دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے
سمجھ اس فصل میں کوتاہیِ نشو و نما غالب ۔۔۔ ۳ اگر گل سرو کے قامت پہ پیراہن نہ ہو جائے

۱ رگِ گردن بجائے غرور یعنی پھول جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ محبوب کو میری دوستی پر اس درجہ اعتماد اور غرور ہے کہ مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں رشتۂ الفت رگِ گردن نہ ہو جائے یعنی محبت مبدل بہ دشمنی نہ ہو جائے

۲ حد سے بڑھ چکیں تری غفلت شعاریاں ÷ اس درجہ اعتبارِ تمنا نہ چاہیے (حسرت موہانی)

۳ یعنی اس قدر ہجومِ گل نہ ہو کہ سرو اس میں پوشیدہ ہو جائے ۱۲

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے ۔۔۔ نالہ پابندِ نے نہیں ہے

کیون ہوتے ہین باغبان تونبے ۱ گر باغ گداے مے نہین ہی
ہرچند ہر ایک شئے مین تو ہے ۲ پر تجھ سی تو کوئی شے نہین ہی
ہان کھائیو مت فریب ہستی
ہرچند کہین کہ ہے نہین ہی
شادی سے گذر کہ غم نہ ہووے
اردی جو نہ ہو تو دے نہین ہی
ماہ بہار ۱۲ ماہ خزان ۱۲
کیون ردّ قدح کرے ہے زاہد
مے ہے یہ مگس کی قے نہین ہی

۳ ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب
آخر تو کیا ہے اے "نہین ہے"

۱ یعنی تونبون کی باغ مین موجودگی ثابت کرتی ہی کہ باغ بھی گداے مے ہی کیونکہ تونبون سے کشکول گدائی اور کدوے شراب بنتا ہی۔ ۱۲

۲ تجھ سی یعنی تیرے مانند۔ ۱۲

۳ ردیف غزل مین الفاظ "نہین ہی" "نہین ہی" کو بار بار لانے کے سبب غالب نے ازراہ شوخی بنا تام ہی "نہین ہی" قرار دے لیا ہی اور دریافت کرتا ہی کہ جب ہستی کی نسبت تو کہتا ہی کہ "نہین ہی" اور عدم کے باب مین بھی تیرا یہی قول ہی کہ "نہین ہی" تو اے "نہین ہے" یعنی اے غالب یہ تو بتا کہ آخر پھر ہے کیا؟ ۔ ۱۲

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحت دل کا ۱ کہ اس مین ریزۂ الماس جزو اعظم ہی
بہت دنون مین تغافل نے تیرے پیدا کی ۲ وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہی

۱ ریزۂ الماس سے زخم اور بھی بڑھ جاتا ہی ریزۂ الماس کو زخم دل کا مرہم کہہ کر اپنی ایذا دوستی کا اظہار کیا ہے ۱۲

۲ پہلے تغافل نادانستہ تھا یعنی بربناے بیگانگی تھا لیکن اب دانستہ ہی جسکو درحقیقت التفات کہنا چاہیے اگرچہ بظاہر ہم اس کو ایسا نہ کہہ سکین۔ ۱۲

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہین کرتے ۱ مرتے ہین ولے ان کی تمنا نہین کرتے
دربردہ انھین غیر سے ہے ربط نہانی ۲ ظاہر کا یہ پردا ہی کہ پردا نہین کرتے
یہ باعث نومیدی ارباب ہوس ہے ۳ غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہین کرتے

سلہ وہی مضمون ہے کہ "میں نے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے" یہ انتہائے رشک ہے
کہ اپنے اوپر بھی رشک آتا ہے۔ ۱۲

سلہ وہ جو غیر سے بے تکلف ملتے ہیں اس سے غرض یہ ہے کہ لوگوں کو یہ نہ معلوم ہو سکے کہ اُن کو رقیب کے ساتھ کوئی خاص تعلق بھی ہے گویا ان کا پردہ نہ کرنا ایک پردہ ٹھیرا جس سے غیر کے ساتھ اُنکے ربط نہانی کا راز پوشیدہ رہتا ہے۔ ۱۲ یہ وہی مضمون ہے کہ

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی		منھ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

سلہ یعنی غالب کے سے عاشق صادق کو جب تم برا کہتے ہو تو رقیب بوالہوس کو پھر تم سے کیا امید رہے گی۔ ۱۲

کرے ہے بادہ ترے لب سے کسب رنگ فروغ	سلہ	خط پیالہ سراسر نگاہ گلچیں ہے
کبھی تو اس دل شوریدہ کی بھی داد ملے		کہ ایک عمر سے حسرت پرست بالیں ہے
بجا ہے گر نہ سنے نالہائے بلبل زار	سلہ	کہ گوش گل نم شبنم سے پنبہ آگیں ہے

اسد ہے نزع میں چل بے وفا برائے خدا
مقام ترک حجاب و وداع تمکیں ہے

سلہ شراب تیرے لب سے کسب رنگ کرتی ہے پس گویا بادہ گلچیں ٹھیرا اور خط ساغر نگاہ گل چیں۔ ۱۲

سلہ نم شبنم کو اسکی سفیدی کے اعتبار سے پنبہ کہا۔ یہ دلی گویا گوش گل کو بند کیے ہوے ہے۔ ۱۲

کیوں نہو چشم بتاں محو تغافل کیوں نہو		یعنی اس بیمار کو نظارے سے پرہیز ہے
مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی		وائے ناکامی کہ اس کافر کا خنجر تیز ہے

عارض گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد
جوشش فصل بہاری اشتیاق انگیز ہے

بجا ہے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کہیے	سلہ	ہوا رقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہیے
یہ ضد کہ آج نہ آوے اور آئے بن نہ رہے	سلہ	قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کہیے
رہے ہے یوں گہ و بیگہ کہ کوئے دوست کو اب		اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے
زہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب		کہ بن کہے ہی انھیں سب خبر ہے کیا کہیے

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسشِ حال | کہ یہ کہے کہ سرِ رہگذر ہے کیا کہیے
تمہیں نہیں ہے سررشتۂ وفا کا خیال [3] | ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کہیے
اُنھیں سوال پہ زعمِ جنوں ہے کیوں لڑیے | ہمیں جواب سے قطعِ نظر ہے کیا کہیے
حسد سزائے کمالِ سخن ہے کیا کیجیے | ستم بہائے متاعِ ہنر ہے کیا کہیے

کہا ہے کس نے کہ غالب بُرا نہیں لیکن
سوائے اس کے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہیے

[1] دیا ہو دل یعنی نامہ بر نے، اس کو یعنی محبوب کو ۱۲
[2] اچھی لگنے کی ضرور مگر آج جب ہم چاہتے ہیں تو ضد کی وجہ سے نہیں آتی ۱۲
[3] محبوب سے پوچھتا ہے کہ ہمارے ہاتھ میں کچھ چیز ہے کہیے کہ وہ کیا چیز ہے ۱۲ پہلے مصرع میں اس شے یعنی سررشتۂ وفا کا نام بھی ظاہر کر دیا ہے جس سے مقصد یہ ہے کہ وہ بے وفا ایسے اس درجہ بیگانہ ہے کہ بتا دینے پر بھی اُس کو نہ معلوم ہو سکے گا کہ ہمارے ہاتھ میں سررشتۂ وفا ہے

دیکھ کر در پردہ گرمِ دامن افشانی مجھے | [1] کر گئی وابستۂ تن میری عریانی مجھے
بن گیا تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فساں | مرحبا میں کیا مبارک ہے گرانجانی مجھے
کیوں نہ ہو بے التفاتی اس کی خاطر جمع ہے | [2] جانتا ہے محوِ پرسشہائے پنہانی مجھے
میرے غم خانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی | [3] لکھ دیا منجملۂ اسبابِ ویرانی مجھے
بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاشکے | اس قدر ذوقِ نوائے مرغِ بستانی مجھے
وائے واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا | لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے
وعدہ آنے کا وفا کیجیے یہ کیا انداز ہے | [4] تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے
ہاں نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری واہ واہ | پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزل خوانی مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے از سرِ نو زندگی
میرزا یوسف ہے غالب یوسفِ ثانی مجھے

[1] دامن افشانی سے ترک تعلقات دنیاوی مراد ہے مطلب یہ ہے کہ ترک تعلقات کسی طرح ممکن نہیں ہے

مین سمجھتا تھا کہ عریان رہ کر تعلقات لباس سے آزاد ہو جاؤن گا لیکن بحالت عریانی بھی جسم کی پابندی باقی رہی اور کامل آزادی نصیب نہ ہوئی۔۱۲

سے ۵۲ محبوب کو خوب معلوم ہی کہ اس کی بے اعتنائی مجھکو ناگوار نہ ہوگی اسی باعث سے وہ اظہار بے التفاتی مین بے باک ہی ۱۲ پرسش پنہان وہ پرسش جو بذریعۂ الفاظ نہو۔

سے ۵۳ یعنی غمخانے کی ویرانی کے اسباب مین سے ایک سبب میری ذات کو بھی قرار دیا یا یہ کہ اسباب کے بجاے مجھکو اسباب ویرانی ملا۔۱۲

سے ۵۴ یعنی ہر وقت انتظار مین میری نگاہ دروازے پر لگی رہتی ہے۔ ۱۲ "کیجیے" کے ساتھ "تم" اب ناجائز ہی۔

یاد ہے شادی مین بھی ہنگامۂ یارب مجھے	سے ۱	سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے
ہے کشادِ خاطرِ وابستہ در رہنِ سخن	سے ۲	تھا طلسم قفل ابجد خانۂ مکتب مجھے
یارب اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیے		رشک آسایش پہ ہے زندانیون کی اب مجھے
طبع ہے مشتاق لذتہاے حسرت کیا کرون	سے ۳	آرزو سے ہے شکست آرزو مطلب مجھے

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے
عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے
(یعنی مرزا غالب ۱۲)

سے ۱ جسطرح دانہاے تسبیح سے صوت خندہ پیدا ہوتی ہو لیکن زبان پر ذکر "یارب" ہوتا ہو اسی طرح سے مجھے شغل شادی مین بھی ہنگامہ فریاد یاد رہتا ہی "یارب" کے لفظ مین ایہام ہے۔۱۲

سے ۲ قفل ابجد ایک قسم کا قفل ہوتا ہی جس مین بہت سی چرکیان ہوتی ہین جن پر مختلف حروف بنے ہوتے ہین اس قفل کے کھولنے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہی کہ اس کی چرکیان گھما کر اس طور پر ترتیب دی جائین کہ ان کے حروفون سے مل کر ایک مقررشدہ لفظ بن جائے گویا قفل ابجد کا وا ہونا لفظ مقررہ کے بننے پر موقوف ٹھہرا یا بالفاظ دیگر یون کہیے کہ قفل ابجد کا وا ہونا در رہن سخن ٹھہرا ۱۲ غالب اپنی خاطر وابستہ کو اسی قفل ابجد سے مشابہ کر کے کہتا ہی کہ میری گرفتہ خاطری کا علاج شغل شعر و سخن ہی

سے ۳ چونکہ مین حسرتون کی لذت کا مشتاق ہون اس لیے میری آرزو سے شکست آرزو مراد ہی۔ کیونکہ بغیر شکست آرزو کے لذت حسرت کیونکر مل سکتی ہی۔ ۱۲

حضورِ شاہ میں اہلِ سخن کی آزمایش ہے
چمن میں خوش نوایانِ چمن کی آزمایش ہے

قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمایش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمایش ہے

کریں گے کوہکن کے حوصلے کا امتحاں آخر
ہنوز اس خستہ کے نیروے تن کی آزمایش ہے

نسیمِ مصر کو کیا پیرِ کنعاں کی ہوا خواہی
اُسے یوسف کے بوے پیرہن کی آزمایش ہے ١ہ

وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہیو پھر کہ غافل تھے
شکیب و صبرِ اہلِ انجمن کی آزمایش ہے

رہے دل ہی میں تیر اچھا جگر کے پار ہو بہتر
غرض شستِ بتِ ناوک فگن کی آزمایش ہے

نہیں کچھ سبحہ و زنّار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمایش ہے

پڑا رہ اے دلِ وابستہ بیتابی سے کیا حاصل ٢ہ
مگر پھر تابِ زلفِ پرشکن کی آزمایش ہے

رگ و پے میں جب اُترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمایش ہے

٣ہ وہ آویں گے مرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالب
نئے فتنوں میں اب چرخِ کہن کی آزمایش ہے

١ہ نسیمِ مصر جو یوسف اپنے ساتھ ہمراہ لائی ہے وہ حضرت یعقوب کی ہوا خواہی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ بوے پیراہنِ یوسف کی آزمایش کرے کہ پیرِ کنعان پر اس کا اثر کہاں تک ہوتا ہے ۱۲

٢ہ اس زلفِ پرشکن کے پیچ و خم ایسے نہیں ہیں کہ دل ان سے رہا ہو سکے۔ دلِ وابستہ کئی بار اس امر کا تجربہ کر چکا ہے۔ اب جو یہ بے تابی کرتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید پھر اسے "تابِ زلفِ پرشکن کی آزمایش ہے" ۱۲

٣ہ نیا فتنہ یعنی اُن کے آنے کا فتنہ ۱۲

کبھی نیکی بھی اسکے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر اُلٹی ہے
کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

وہ بدخو اور میری داستانِ عشق طولانی
عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

اُدھر وہ بدگمانی ہے اِدھر یہ ناتوانی ہے
نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

ہوے ہین پانون ہی پہلے نبرد عشق مین زخمی
نہ بھاگا جاے ہی مجھسے نہ ٹھیرا جاے ہے مجھسے

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جاے ہی مجھسے

زبسکہ مشق تماشا جنون علامت ہے ١ہ
کشاد و بست مژہ سیلی ندامت ہے

نہ جانون کیون کہ مٹے داغ طعن بدعہدی ٢ہ
تجھے کہ آئینہ بھی ورطۂ ملامت ہے

بہ پیچ و تاب ہوس سلک عافیت مت توڑ ٣ہ
نگاہ عجز سر رشتۂ سلامت ہے

وفا مقابل و دعواے عشق بے بنیاد ٤ہ
جنون ساختہ و فصل گل قیامت ہے

١ہ چونکہ تماشاے حُسن کی مشق جنون کی علامت ہے اس لیے بروقت تماشا پلکون کا کھلنا اور بند ہونا گویا سیلی ندامت کا پڑنا ہی۔١٢

٢ہ خدا جانے طعن بدعہدی کا نشان کیونکر مٹے گا یعنی تو لاکھ آرایش و زیبایش کرے مگر اس داغ بدعہدی کے ہوتے ہوے جب تو آرایش کے لیے آئینہ دیکھتا ہی تو وہ بھی تیرے لیے ورطۂ ملامت بن جاتا ہی۔١٢ آئینے کی تشبیہ ورطے سے ظاہر ہے اور آرایش چونکہ اغیار کے دکھلانے کے لیے کی جاتی ہی اس لیے اُس سے بدعہدی لازم آتی ہی۔

٣ہ یعنی سلامتی عاجزی اور کم ہوسی ہی مین ہی ورنہ ہوس کے ساتھ عافیت کا وجود ممکن نہین۔١٢

٤ہ محبوب اور رقیب کے معاملے کا ذکر بطور طعن کرتا ہے کہ یہ بڑا ستم ہے کہ محبوب تو آمادۂ وفا ہو اور دعواے عشق جھوٹا ہو یہ تو اُسی قسم کی بات ہوئی کہ بہار تو واقعی آئی ہو لیکن جنون مین بناوٹ ہو۔١٢

لاغر اتنا ہون کہ گر تو بزم مین جاوے مجھے
میرا ذمہ دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے

کیا تعجب ہی کہ اس کو دیکھ کر آجاے رحم
وان تلک کوئی کسی حیلے سے پہونچا دے مجھے

مُنھ نہ دکھلاوے نہ دکھلا پر بانداز عتاب
کھول کر پردہ ذرا آنکھین ہی دکھلا دے مجھے

یان تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہی کہ مین
زلف گر بنجاؤن تو شانے مین الجھا دے مجھے

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

اک کھیل ہے اورنگ سلیمان مرے نزدیک
اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے

جز نام نہین صورت عالم مجھے منظور
جز وہم نہین ہستی اشیا مرے آگے

ہوتا ہے نہان گرد مین صحرا مرے ہوتے سلہ
گھستا ہے جبین خاک پہ دریا مرے آگے

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے سٹہ
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے

سچ کہتے ہو خود بین و خود آرا ہون نہ کیون ہون
بیٹھا ہے بُت آئینہ سیما مرے آگے

پھر دیکھیے انداز گل افشانی گفتار
رکھدے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

نفرت کا گمان گذرے ہے مین رشک سے گذرا
کیونکر کہون لو نام نہ اُن کا مرے آگے

ایمان مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

عاشق ہون پہ معشوق فریبی ہے مرا کام
مجنون کو بُرا کہتی ہے لیلی مرے آگے

خوش ہوتے ہین پر وصل مین یون مر نہین جاتے سٹہ
آئی شب ہجران کی تمنا مرے آگے

ہے موجزن اِک قلزم خون کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے

گو ہاتھ کو جنبش نہین آنکھون مین تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا
غالب کو بُرا کیون کہو اچھا مرے آگے

سلہ مرے ہوتے یعنی مجھ صحرا گرد کے ہوتے۔ مرے آگے یعنی مجھ اشک بار کے ہوتے۔

سٹہ یعنی جس طرح تو میرے آگے کشمکش حیا و شوخی کے ہاتھون دل تنگ و مجبور ہو کر بیٹھا ہے اسی طرح مین تیرے پیچھے تنگ دل اور پریشان رہتا ہون ۱۲

سٹہ ہجر مین وہ جو مین اکثر مرجانے کی آرزو کیا کرتا تھا اور وہ آرزو وصل کی شب میرے آگے آئی یعنی اس صورت سے کہ مین شادی مرگ ہو گیا ۱۲

کہون جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے
تمہین کہو کہ جو تم یون کہو تو کیا کہیے

نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہین سلہ
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے

وہ نیشتر سہی پر دل مین جب اتر جاوے
نگاہ ناز کو پھر کیون نہ آشنا کہیے

نہین ذریعۂ راحت جراحت پیکان سٹہ
وہ زخم تیغ ہے جسکو کہ دلکشا کہیے

جو مدعی بنے اُس کے نہ مدعی بنیے
جو ناسزا کہے اُس کو نہ ناسزا کہیے

کہین حقیقت جانکاہی مرض لکھیے
کہین مصیبت ناسازی دوا کہیے

کبھی شکایت رنج گران نشین کیجیے
کہین حکایت صبر گریز پا کہیے

رہے نہ جان تو قاتل کو خون بہا دیجیے
کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

نہین نگار کو اُلفت نہو نگار تو ہے ۳
روانی روش و مستی ادا کہیے

نہین بہار کو فرصت نہو بہار تو ہے
طراوت چمن و خوبی (رفتار ۱۲) ہوا کہیے

سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالب
خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے

۱ یعنی اگر تم بطور طعن کہو گے کہ "تو ہم ستمگر ہین" تو اس پر بھی مین حسب عادت کہونگا کہ "بجا ہے" اس وقت خفا نہ ہونا ۱۲

۲ اپنی ایذا دوستی کا اظہار کرتا ہے اور زخم تیغ کو زخم تیر پر ترجیح دیتا ہے کیونکہ زخم تیغ بڑا اور کشادہ ہوتا ہے

۳ یعنی اگر محبوب کو ہم سے الفت نہین ہے تو اس سے اس کی محبوبی مین کیا فرق آسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسکے عیب سے چشم پوشی کر کے صرف قابل تعریف باتون کو لینا چاہیے ۱۲۔

اس کے بعد والے شعر کا مفہوم بھی یہی ہے ۱۲۔

رونے سے اور عشق مین بیباک ہوگئے
دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہوگئے

صرف بہاے مے ہوے آلات میکشی ۱
تھے یہ ہی دو حساب سو یون پاک ہوگئے

رسواے دہر گو ہوے آوارگی سے تم
بارے طبیعتون کے تو چالاک ہوگئے

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر
پردے مین گل کے لاکھ جگر چاک ہوگئے

پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہوگئے

کرنے گئے تھے اُس سے تغافل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہوگئے

اس رنگ سے اُٹھائی کل اس نے اسد کی نعش
دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہوگئے

۱ دو حساب یعنی اول یہ کہ شراب کے لیے قیمت کہان سے آئے۔ دوسرے یہ کہ ظروف مے کا جھگڑا کون رکھے۔ سو دونون جھگڑے اس طرح طے ہوے کہ آلات میکشی کو فروخت کر کے شراب پی لی ۱۲۔

نشہ ہا شاداب رنگ و ساز ہا مست طرب	ـلـه ۱	شیشۂ مے سرو سبز جوئبار نغمہ ہے
ہمنشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزم عیش دوست	ـلـه ۲	واں تو میرے نالے کو بھی اعتبار نغمہ ہے

ـلـه نغمہ کو باعتبار روانی آواز جوئبار کہا اور شیشۂ مے کو باعتبار سبزی اس جوئبار کا سرو سبز قرار دیا گویا اس حالت مستی میں نشے کو رنگ سے شاداب اور ساز کو نشۂ طرب سے سرشار ٹھیرایا - ۱۲

ـلـه یعنی میری نالہ کشی بھی بزم یار کا موجب برہمی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کی محفل عیش میں جا کر میرا نالہ بھی نغمہ بن جاتا ہے - ۱۲

عرض ناز شوخی دنداں برائے خندہ ہے	ـلـه	دعوے جمعیت احباب جائے خندہ ہے
ہے عدم میں غنچہ محو عبرت انجام گل	ـلـه ۲	یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے
کلفت افسردگی کو عیش بیتابی حرام	ـلـه ۳	ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے
سوزش باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں	ـلـه ۴	دل محیط گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

ـلـه مصرع اولی ثبوت و مثالیہ ہے مصرع ثانی کا - ۱۲

ـلـه یک جہاں زانو تامل یعنی کثرت غنچہ کھلنے کے بعد محو عبرت ہے کہ پھر بھی وہی انجام ہونے والا ہے جو اس کے پھول کا ہوا "عدم میں" اس لیے کہ کھلنے کے بعد غنچہ معدوم اور گل پیدا ہو گیا - ۱۲

ـلـه افسردگی کے ہوتے ہوئے عیش بیتابی حاصل نہیں ہو سکتا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ بیتاب ہونا اور خون جگر کھانا ہی چیزیں محبت میں بنائے عیش ہیں - ۱۲

ـلـه ۴ سوز دروں سے آنسو خشک ہو جاتے ہیں اور دل کا محیط گریہ ظاہر نہیں ہونے پاتا - ورنہ حال یہ ہے کہ اگرچہ "لب آشنائے خندہ" ہے لیکن دل "محیط گریہ" ہے۔ یعنی اگرچہ بظاہر ہنستے خوش ہوں لیکن میرا باطن مبتلائے غم ہے۔

حسن بے پروا خریدار متاع جلوہ ہے	ـلـه ۱	آئینہ زانوے فکر اختراع جلوہ ہے
تا کجا اے آگہی رنگ تماشا باختن	ـلـه ۲	چشم وا گردیدہ آغوش وداع جلوہ ہے

ـلـه خریدار متاع جلوہ یعنی خواہشمند جلوہ گری۔ فکر اختراع جلوہ یعنی اس بات کی فکر کہ جلوہ گری کی خواہش کس طور سے پوری ہو۔ آئینے کو اس فکر یعنے اختراع جلوہ کا زانو قرار دیا اس لحاظ سے کہ بوقت آرائش آئینہ استعمال کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حسن باوجودیکہ

بے پروا ہوتا ہے لیکن جلوہ گری کی فکر اس کو بھی رہتی ہے چنانچہ آئینہ گویا اس خواہش جلوہ گری کا زانوے فکر ہوتا ہے۔ ۱۲

ف۳ چشم واگردیدہ آغوش سے مشابہ ہے جو جلوہ ناپائدار کو رخصت کرنے کے لیے کھلی ہے۔ غالب "آگاہی" سے پوچھتا ہے کہ تو کب تک مصروف تماشاے جلوہ ظاہر رہے گی۔ ۱۲

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی

عالم غبارِ وحشتِ مجنون ہے سر بسر
کب تک خیالِ طرۂ لیلا کرے کوئی

ف۱ افسردگی نہین طربِ انشاے التفات
ہان درد بن کے دلمین مگر جا کرے کوئی

رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے
آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

ف۲ چاکِ جگر سے جب رہِ پرسش نہ وا ہوئی
کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی

ف۳ لختِ جگر سے ہے رگِ ہر خار شاخِ گل
تا چند باغبانیِ صحرا کرے کوئی

ناکامیِ نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز
تو وہ نہین کہ تجھکو تماشا کرے کوئی

ف۴ ہر سنگ و خشت ہے صدفِ گوہرِ شکست
نقصان نہین جنون سے جو سودا کرے کوئی

سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر
فرصت کہان کہ تیری تمنا کرے کوئی

ف۵ ہے وحشتِ طبیعتِ ایجاد یاس خیز
یہ درد وہ نہین کہ نہ پیدا کرے کوئی

بیکاری جنون کو ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائین تو پھر کیا کرے کوئی

حسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے اسد
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

ف۱ سراپا درد بن جانے سے ممکن ہے کہ اسکے دلمین جگہ ہو سکے ورنہ افسردہ خاطر ہو کر بیٹھ رہنے سے التفات یار کی امید فضول ہے۔

ف۲ یعنی جب چاک جگر سے کچھ حاصل نہ ہوا تو اب گریبان دری سے بجز رسوائی اور کیا ہاتھ آئے گا۔ ۱۲

ف۳ صحرا مین چونکہ میرے دل و جگر کے ٹکڑے ہر کانٹے مین چھدے پڑے ہین اس لیے ہر خار مین گل کی اور جنگل مین چمن کی صورت نمایان ہو گئی ہے۔ غالب کہتا ہے کہ اس صحراے گلشن نما کی کب تک کوئی باغبانی کرے۔ ۱۲

سله جنون سے معاملہ کرنے مین نقصان نہین کیونکہ ہر سنگ و خشت (جو لڑکے دیوانون کو مارتے ہین) گویا ایک صدف ہے جس سے گوہر شکست حاصل ہوتا ہے اس معاملے کی سودمندی کی حقیقت ظاہر ہے

سله ایجاد کی طبیعت مین جو وحشت ہے وہ یاس خیز ہے یعنی ہم وحشی طبع لوگ یاس کو ایجاد کیا کرتے ہین اور اس طرح پر گویا مایوس ہونے پر مجبور ہین۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی		میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
شرع و آئین پر مدار سہی	سله	ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
چال جیسے کڑی کمان کا تیر		دل مین ایسے کے جا کرے کوئی
بات پر وان زبان کٹتی ہے		وہ کہین اور سنا کرے کوئی
بک رہا ہون جنون مین کیا کیا کچھ		کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
نہ سنو گر برا کہے کوئی		نہ کہو گر برا کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی		بخش دو گر خطا کرے کوئی
کون ہے جو نہین ہے حاجتمند		کس کی حاجت روا کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکندر سے		اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیون کسی کا گلہ کرے کوئی

سله ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی" جو بے تلوار کے قتل کرتا ہو اور جس پر حد شرعی جاری ہو سکتی ہو یا یہ کہ جس پر بسبب نزاکت حسن کوئی حد شرعی کا جاری کرنا گوارا نہ کرتا ہو۔۱۲

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے		غلام ساقی کوثر ہون مجھکو غم کیا ہے
تمھاری طرز و روش جانتے ہین ہم کیا ہے	سله	رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے

سخن مین خامۂ غالب کی آتش افشانی
یقین ہے ہم کو بھی لیکن اب اسمین دم کیا ہے

سله یعنی رقیب پر جو تمھارا لطف ہے وہی مجھ پر ستم ہے۔۱۲

باغ پا کر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے	سایۂ شاخ گل افعی نظر آتا ہے مجھے

جوہر تیغ بسر چشمۂ دیگر معلوم ۱؂	ہوں میں وہ سبزہ کہ زہراب اگاتا ہے مجھے
مدعا محو تماشائے شکست دل ہے ۲؂	آئینہ خانہ میں کوئی لیے جاتا ہے مجھے
نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کف خاک ۳؂	آسمان بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے
زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے	دیکھوں اب مرگئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

۱؂ مطلب یہ ہے کہ جسطرح جوہر تیغ کی نمود تلوار کو زہر آب میں بجھانے سے ہوتی ہے اسی طرح میری سرشت غم و غصے سے ہے۔ ۱۲

۲؂ حصول مدعا سے دل ٹوٹ گیا تو مدعا دل کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کا تماشا دیکھ رہا ہے۔ دل آئینہ تھا جب وہ ٹوٹا تو بہت سے آئینے پیدا ہو گئے اور آئینہ خانہ بن گیا (مولوی علی حیدر صاحب)

۳؂ قمری کا رنگ خاکی ہوتا ہے اس لیے آسمان کو بیضۂ قمری کہا جسمیں ایک مشت خاک کے سوا (یعنے عالم کے سوا) جسے ارلحن بھی کہہ سکتے ہیں اور کچھ نہیں ہے۔ ۱۲

روندی ہوئی ہے کوکبۂ شہریار کی	اترائے کیوں نہ خاک سر رہگذار کی
جب اس کے دیکھنے کے لیے آئیں بادشاہ (جماعت خادمان ۱۲)	لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی
بھوکے نہیں ہیں سیر گلستاں کے ہم ولے	کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے	بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے
ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہیگا اسکی گردن پر	وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دمبدم نکلے
نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن	بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے
بھرم کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا	اگر اس طرۂ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے
مگر لکھوائے کوئی اسکو خط تو ہم سے لکھوائے ۱؂	ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے
ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشامی	پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جام جم نکلے
ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی	وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغ ستم نکلے
محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا	اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

کہاں میخانے کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

سلہ مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے" اور ہم اس کا مضمون معلوم کر لین کہ لوگ اُسے کیا لکھواتے ہین ۱۲۔

کوہ کے ہون بارِ خاطر گر صدا ہو جایئے بیضۂ آسا ننگ بال و پر ہے یہ کنج قفس	سلہ	بے تکلف اے شرارِ جستہ کیا ہو جایئے از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جایئے

سلہ شرار سے پوچھتا ہو کہ اگر ہم صدا ہو جائین گے تو بھی "کوہ کے بارِ خاطر ہونگے" پھر ہم کو کیا ہو جانا چاہیئے اور اس انداز سوال سے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہو کہ مین بھی شرر کے مانند بے تکلف دم بھر مین جل بجھ کر فنا ہو جانا چاہتا ہون ۔۱۲ صدا کا کوہ کے بار خاطر ہونا اسطرح پر نکلتا ہو کہ آواز پہار سے ٹکرا کر واپس چلی آتی ہے پہلے مصرعے مین "ہون کے ساتھ" "ہو جایئے" درست نہین ہے ۔۱۲

مستی بہ ذوقِ غفلتِ ساقی ہلاک ہے جز زخمِ تیغِ ناز نہین دل مین آرزو	سلہ	موجِ شراب یک مژۂ خوابناک ہے جیبِ خیال بھی ترے ہاتھون سے چاک ہے

سلہ	جوشِ جنون سے کچھ نظر آتا نہین اسد صحرا ہماری آنکھ مین یک مشتِ خاک ہے

سلہ موج شراب کو چشم ساغر کی مژہ خواب آلود قرار دیا اور اس کی خوابناکی کا سبب بتایا کہ مستی شراب تو بھی ساقی کی ادائے تغافل نے مست و بے خود بنا رکھا ہے ۔۱۲

سلہ "کچھ نظر آتا نہین" یعنی بے حقیقت نظر آتا ہے ۔۱۲

لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہو گہوارہ جنبانی	سلہ	قیامت کشتۂ لعلِ بتان کا خوابِ سنگین ہے
آمدِ سیلابِ طوفانِ صدائے آب ہے	سلہ	نقشِ پا جو کان مین رکھتا ہو انگلی جادہ سے
بزم سے وحشت کدہ ہے کس کی چشمِ مست کا	سلہ	شیشے مین نبضِ پری پنہان ہے موجِ بادہ سے

سلہ لبِ عیسیٰ کی جنبش سے مردے جی اُٹھتے ہین لیکن لب لعل محبوبان کے کشتون کی نیند اس غضب کی ہے کہ اُس سے بجائے زندہ ہونے کے اُن کی غفلت اور بھی بڑھتی جاتی ہو ۔۱۲

سلہ نقش پا صورت مین کان سے اور جادہ بسبب درازی انگلی سے مشابہ ہوتا ہو گویا شور طوفان کی وجہ سے جادہ نے کان مین انگلی دے لی ہے ۔

سلہ بزم سے اس کی چشم مست کے اثر سے یکسر وحشت کدہ بن گئی ہو۔ یہان تک کہ ہر چیز سے وحشت ٹپکتی ہے

مثلاً شیشے مین بصورت موج بادہ گویا نبض پری پنہان ہی موج بادہ کو نبض پری سے مشابہ کرکے اس کی وحشت کا اظہار کیا ہی۔ ۱۲

ہون مین بھی تماشائی نیرنگ تمنا ۱ مطلب نہین کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آوے

۱ یعنی مین تمنا اس لیے نہین کرتا ہون کہ وہ پوری ہی ہو بلکہ محض اس غرض سے کہ دیکھون اس مین کیا کیفیت ہے۔

سیاہی جیسے گر جاوے دم تحریر کاغذ پر ۔ مری قسمت مین یون تصویر ہی شبہاے ہجران کی

ہجوم نالہ حیرت عاجز عرض یک افغان ہے ۱ خموشی ریشۂ صد نیستان سی خس بدندان ہے

تکلف برطرف ہی جانستان تر لطف بدخویان ۔ نگاہ بے حجاب ناز تیغ تیز عریان ہے

ہوئی یہ کثرت غم سے تلف کیفیت شادی ۔ کہ صبح عید مجھکو بدتر از چاک گریبان ہے

دل و دین نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے ۲ کہ اس بازار مین ساغر متاع دستگردان ہے

غم آغوش بلا مین پرورش دیتا ہے عاشق کو ۳ چراغ روشن اپنا قلزم صرصر کا مرجان ہے

۱ حیرت عاجز یعنی عاجز حیرت۔ ہجوم نالہ اس بات سے عاجز ہی کہ حیرت کی وجہ سے آہ و فغان ناممکن ہی چنانچہ خموشی جو لازم حیرت ہی اس عجز کا اظہار کر رہی ہے۔ ۱۲ خس بدندان ہونے سے اظہار عجز مراد ہے اور ریشہ نیستان اس لحاظ سے آیا ہی کہ نیستان کی بھی بعینہ یہی حالت ہوتی ہے کہ باوجودیکہ اس سے ہزارون بانسلیان بن سکتی ہین اور اس لیے اس کو لاکھون نالہاے ناکشیدہ کا مجمع کہ سکتے ہین لیکن بصورت ظاہر ریشہاے نیستان مشابہ بہ خس ہوتے ہین اور خموشی نیستان خس بدندان نظر آتی ہی۔

۲ متاع دستگردان نقد بکا کرتی ہی ۱۲ ساغر کے لیے دستگردان کا لفظ خوب ہے۔

۳ قلزم صرصر کا مرجان ہی یعنی آغوش بلا مین تربیت پاتا ہی ۱۲ جس طرح مرجان کی پرورش سمندر مین ہوتی ہے۔

خموشیون مین تماشا ادا نکلتی ہے ۱ نگاہ دل سے ترے سرمہ سا نکلتی ہے

فشار تنگی خلوت سے بنتی ہے شبنم ۲ صبا جو غنچے کے پردے مین جا نکلتی ہے

نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آب تیغ نگاہ ۳ کہ زخم روزن در سے ہوا نکلتی ہے

۱ تماشا ادا یعنی انداز تماشا دکھانے والی یہان تماشا ادا نگاہ کی صفت ہی۔ سرمہ سا نکلنے سے

چونکہ آواز بیٹھ جاتی ہو اس لیے سرمے کو خاموشی سے ایک قسم کا تعلق ہو تو غالب نے نگاہ یار کی نسبت کہا
کہ وہ اس کے دل ہی سے بربنائے خاموشی سرمہ آلود ہوکر نکلتی ہو۔ ۱۲ واللہ اعلم۔
سے غنچے کو تنگی خلوت کے فشار سے جو پسینہ آجاتا ہو اُسی کا نام شبنم ہو۔ ۱۲
سے جس دروازے سے وہ جھانکتا ہو اس میں روزن نہ سمجھو بلکہ تیغ نگاہ نے زخم ڈال دیا ہو اور زخم
بھی ایسا گہرا جس میں سے ہوا نکلتی ہو پھر سینۂ عاشق کی کیا حقیقت ہو جس زخم سے ہوا نکلے اور سانس دینے
لگے وہ ضرور مہلک ہوتا ہو۔ شیخ مولوی علی حیدر صاحب!

جس جا نسیم شانہ کش زلف یار ہے	سه ۱	نافہ دماغ آہوے دشت تتار ہے	
کس کا سراغ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا	سه ۲	آئینہ فرش شش جہت انتظار ہے	
ہے ذرہ ذرہ تنگی جا سے غبار شوق	سه ۳	گر دام یہ ہے وسعت صحرا شکار ہے	
دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ		نظارے کا مقدمہ پھر روبکار ہے	
چھڑکے ہے شبنم آئینہ برگ گل پر آب	سه ۴	اے عندلیب وقت وداع بہار ہے	
پچ آپڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے		وہ آئے یا نہ آئے پہ یاں انتظار ہے	
بے پردہ سوئے وادی مجنوں گذر نہ کر		ہر ذرے کے نقاب میں دل بیقرار ہے	
اے عندلیب یک کف خس بہر آشیاں		طوفان آمد آمد فصل بہار ہے	
دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی		اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے	

شہ	غفلت کفیل عمر و اسد ضامن نشاط اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے	

سه ۱ نسیم سے بوے زلف لیکر آہوے تتار کا دماغ نافہ بن گیا ہو۔ ۱۲
سه ۲ دیار انتظار میں ہر طرف آئینے کا فرش کس کے لیے کیا گیا ہو یعنی حیرت کو کسکے جلوے کا انتظار ہو۔
سه ۳ تنگی جا کی وجہ سے غبار شوق پیکر اور بھی ذرہ ذرہ ہوگیا ہو یہ ذرے پھیل کر دام بن جائیں گے اور
وسعت صحرا اس دام کا شکار ہوگی یعنی وہ دام تمام صحرا پر چھا جائے گا۔ ۱۲
سه ۴ ہرن میں یہ ایک رسم ہو کہ آئینے پر پانی چھڑکتے ہیں تاکہ مسافر بخیریت واپس آئے۔
شہ غفلت کی یہ حالت تھی کہ کبھی عمر کے ختم ہونے کا خیال ہی نہیں آتا اور پھر یقین کہ ہمیشہ عیش و عشرت ہو

مین گذرے گی پس جب ناگہانی تباہی کے یہ اسباب وجود مین تو پھر اب مرگ ناگہان کو کس بات کا انتظار ہے ۱۲

آئینہ کیون نہ دون کہ تماشا کہین جسے
ایسا کہان سے لاؤن کہ تجھ سا کہین جسے

حسرت نے لا رکھا تری بزم خیال مین ۱
گلدستۂ نگاہ، سویدا کہین جسے

پھونکا ہے کس نے گوش محبت مین اے خدا
افسونِ انتظار، تمنا کہین جسے

سر پر ہجوم درد غریبی سے ڈالیے
وہ ایک مشت خاک کہ صحرا کہین جسے

ہے چشم تر مین حسرت دیدار سے نہان
شوق عنان گسیختہ، دریا کہین جسے

درکار ہے شگفتن گلہاے عیش کو ۲
صبح بہار پنبۂ مینا کہین جسے

غالب بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہین جسے

۱ حسرت نے تری بزم خیال مین (میرے دل مین) ایک گلدستہ نگاہ لا رکھا جس کو سب سویدا کہتے ہین مطلب یہ کہ سویدا گویا حسرت بھری نگاہون کا ایک گلدستہ ہے۔ ۱۲

۲ گلہاے عیش کے کھلنے کے لیے پنبۂ مینا صبح بہار کا کام دیتا ہے۔ سپیدی پنبہ کو سپیدۂ صبح سے مشابہ کیا ہے ۱۲

شبنم بہ گل لالہ نہ خالی ز ادا ہے ۱
داغ دل بے درد نظرگاہ حیا ہے

دل خون شدۂ کشمکش حسرت دیدار ۲
آئینہ بدست بت بدمست حنا ہے

شعلے سے نہ ہوتی ہوس شعلہ نے جو کی ۳
جی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے

تمثال مین تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق ۴
آئینہ بانداز گل آغوش کشا ہے

قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ ۵
اے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے

خو نے تری افسردہ کیا وحشت دل کو ۶
معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے

مجبوری و دعواے گرفتاری الفت ۷
دست تہ سنگ آمدہ پیمان وفا ہے

معلوم ہوا حال شہیدان گذشتہ ۸
تیغ ستم آئینۂ تصویر نما ہے

اے پرتو خورشید جہانتاب ادھر بھی
سائے کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

ناکردہ گناہون کی بھی حسرت کی ملے داد ۹
یارب اگر ان کردہ گناہون کی سزا ہے

بیگانگی خلق سے بیدل نہ ہو غالب
کوئی نہین تیرا تو مری جان خدا ہے

۱ گل لالہ پر شبنم کے قطرے نہیں بلکہ عرقِ شرم ہی۔ لالے کو شرم اِس بات کی ہو کہ اُس کے دل مین داغ تو ہو لیکن درد نہیں ہی ۱۲ مذہب عشق مین داغ بے درد کا موجب شرم ہونا مسلم ہے۔

۲ دل اور آئینے کی رسائی قسمت کا مقابلہ کرتا ہی ایک ہمارا دل ہی جو "خون شدۂ کشمکش حسرت دیدار" ہے اور ایک آئینہ ہی جو اُس بُت بدست حنا کے ہاتھ مین ہے ۱۲۔ یا یہ کہ دل حسرت دیدار مین خون ہوکر بصورت حنا اُسکے ہاتھ مین آئینہ بن گیا ہی ۱۲۔

۳ افسردگی دل یہانتک اس قدر جلا ہو کہ سوزش دل سے بھی اتنا نہ جلتا۔ پس گویا "شعلے سے نہ ہوتی ہوس شعلہ نے جو کی"

۴ تیری تصویر مین کس قدر شوخی و خوبی ہے کہ آئینہ اُس کے لینے کے لیے گل کے مانند آغوش کھولے ہوے ہے ۱۲۔

۵ جگر سوختہ کا کوئی نشان سوائے نالے کے باقی نہین ہی۔ پہلا مصرعہ بطور تمہید لکھا ہے کہ جس طرح قمری عشق سرو مین ایک کف خاکستر اور بلبل عشق گل مین صرف رنگ ہی رنگ رہ جاتی ہی اسی طرح ہمارے جگر سوختہ کا کوئی نشان بجز نالے کے باقی نہین رہا ہی ۱۲ قفس بمعنی سبد

۶ بے حوصلگی یہ کہ ہمارا جوش شوق اور وحشت محبوب کو گوارا نہین ہی حالانکہ معشوقی کا اقتضا یہ تھا کہ وہ اِن باتون کو پسند کرتا ۱۲۔

۷ مصرعۂ ثانی مصرعۂ اول کی مثال ہے۔ مطلب یہ ہی کہ بحالت مجبوری دعوائے محبت ایسا ہی جیسے کسی کا ہاتھ پتھر کے نیچے دبا ہوا ور نکل نہ سکتا ہو لیکن کہنے کو یہ ہو جاے کہ پیمان وفا نباہا جا رہا ہے ۱۲۔

۸ تیغ ستم کو ایک آئینۂ تصویر نما قرار دیا جس مین شہیدان گذشتہ پر جو کچھ جور و ستم گذر گیا ہے اُس کی تصویر پیش نظر ہو جاتی ہی ۱۲

۹ جو گناہ ہم سے سرزد ہوے ہین اُن کی بابت اگر ہم کو سزا دی جاتی ہے تو جو گناہ بسبب عدم قدرت ہم نہین کر سکے اور جن کی حسرت دل مین رہ گئی اُن کی داد بھی ملنا چاہیئے۔ داد یہ کہ اُن ناکردہ گناہوں کے کرنے کی قدرت بھی عطا ہو ۱۲

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی	۱۰	قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی
اک خونچکاں کفن مین کروڑوں بناؤ ہین		پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی
واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو		کیا بات ہے تمھاری شراب طہور کی

لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا
گویا ابھی سنی نہیں آواز صور کی ۲

آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

ل تجلی نور کو اپنے اظہار کے لیے تیری شکل منظور تھی یعنی وہ تیری شکل میں ظاہر ہونا چاہتی تھی تیرے قد و رخ سے ظہور کی قسمت کھلی کہ اب ان میں تجلی نور ظاہر ہوئی ۔ ۱۲

۲ لڑتا ہے یعنی اس بات پر کہ ہمارا کشتہ ہو کر آواز صور پر کیوں اٹھا ۔ ۱۲

غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے
یہ رنج کہ کم ہے مے گلفام بہت ہے

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
ہے یوں کہ مجھے درد تہ جام بہت ہے

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی
پاداش عمل کی طمع خام بہت ہے

ہیں اہل خرد کس روش خاص پہ نازاں
ل پابستگی رسم و رہ عام بہت ہے

زمزم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوف حرم سے
آلودہ بہ مے جامۂ احرام بہت ہے

ہے قہر گر اب بھی نہ بنے بات کہ ان کو
انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے

خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ
رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

ل اہل خرد رہ و رسم عام کے پابند ہیں پھر کس روش خاص پر ناز کرتے ہیں ۱۲ یعنے گویا اسی کا نام روش خاص ہے

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
ل جوش قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوت مژگاں کیے ہوئے

پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسون ہوئے ہین چاک گریبان کیے ہوئے

پھر گرم نالہ ہاے شرربار ہے نفس
مدت ہوئی ہے سیر چراغان کیے ہوئے [1]

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکدان کیے ہوئے [2]

پھر بھر رہا ہے خامۂ مژگان بخون دل
ساز چمن طرازی دامان کیے ہوئے [3]

باہم دگر ہوئے ہین دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا سامان کیے ہوئے

دل پھر طواف کوے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویران کیے ہوئے [4]

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرض متاع عقل و دل و جان کیے ہوئے

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گلستان نگاہ کا سامان کیے ہوئے

پھر چاہتا ہون نامۂ دلدار کھولنا
جان نذر دلفریبی عنوان کیے ہوئے

مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس
زلف سیاہ رخ پہ پریشان کیے ہوئے

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل مین آرزو
سرمے سے تیز دشنۂ مژگان کیے ہوئے

اک نوبہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغ مے سے گلستان کیے ہوئے

پھر جی مین ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہین
سر زیر بار منت دربان کیے ہوئے

جی ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہین تصور جانان کیے ہوئے

غالب ہمین نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے
بیٹھے ہین ہم تہیۂ طوفان کیے ہوئے

[1] یعنی شراب روشن کا ہر ایک جام گویا چراغ تھا ۱۲

[2] یعنی عشق پھر زخم دل پر نمک چھڑکنے چلا ہے ۱۲

[3] مژگان کا قلم ہے اور خون دل کی روشنائی جس سے صفحۂ دامن پر گل کاریان ہونگی ۱۲

[4] پندار یعنی خودداری یعنی خودداری کو ویران کرکے اب دل پھر کوے ملامت کو جائے ہے ۱۲

۵۰

نوید امن ہے بیداد دوست جان کے لیے
رہی نہ طرز ستم کوئی آسمان کے لیے

بلا سے گر مژۂ یار تشنۂ خون ہے
رکھون کچھ اپنی بھی مژگان خون فشان کے لیے

وہ زندہ ہم ہین کہ ہین روشناس خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمر جاودان کے لیے

رہا بلا میں بھی میں مبتلاے آفت رشک [۲] بلاے جان ہے ادا تیری اک جہان کے لیے

فلک نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں دراز دستی قاتل کے امتحان کے لیے

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر کرے قفس میں فراہم خس آشیان کے لیے

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے [۳] اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسبان کے لیے

بقدر شوق نہیں ظرف تنگناے غزل کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیان کے لیے

دیا ہے خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے بنا ہے عیش تجمل حسین خان کے لیے

زبان پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لیے

نصیر دولت و دین اور معین ملت و ملک بنا ہے چرخ بریں جسکے آستان کے لیے

زمانہ عہد میں اُس کے ہے محو آرائش [۴] بنیں گے اور ستارے اب آسمان کے لیے

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے سفینہ چاہیے اس بحر بیکران کے لیے

ادا ے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلاے عام ہے یاران نکتہ دان کے لیے

[۱] بیداد دوست نے کوئی ستم آسمان کے لیے باقی نہیں رکھا اس لیے اب جان جور آسمان سے بے خوف ہوگئی ہے ۱۲

[۲] رشک اس بات کا کہ ادا تیری بلا سہی لیکن وہ دوسروں کے لیے بلاے جان بھی کیوں ہو ۱۲

[۳] یعنی پہلے وہ گدا سمجھ کے خاموش تھا لیکن میری جو شامت آئی تو میں اس کے قدموں پہ گر پڑا جس سے وہ مجھ کو جان گیا اور مجھے اپنے روبرو نہ رہنے دیا ۱۲

[۴] تجمل حسین خان کے نام میں تجمل کی رعایت سے کہا کہ اسکے زمانے میں ایک عالم آرائش میں مصروف ہو پس کیا عجب ہے کہ زہرہ و مشتری کی طرح اب آسمان کے لیے اور ستارے بھی بن جائیں ۱۲ فقط

تمام شد

آغاز قصائد

قصیدہ اول

"در منقبت"

شعر ۱ ساز یک ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار — سایۂ لالۂ بے داغ سویدائے بہار
شعر ۲ مستیٔ بادِ صبا سے ہے بعرضِ سبزہ — ریزۂ شیشۂ مے جوہرِ تیغِ کہسار
شعر ۳ سبز ہے جامِ زمرد کی طرح داغِ پلنگ — تازہ ہے ریشۂ نارنج صفت روئے شرار
شعر ۴ مستیٔ ابر سے گلچینِ طرب ہے حسرت — کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار
شعر ۵ کوہ و صحرا ہمہ معموریٔ شوقِ بلبل — راہِ خوابیدہ ہوئی خندۂ گل سے بیدار
شعر ۶ سونپے ہے فیض ہوا صورتِ مژگانِ یتیم — سرنوشتِ دو جہاں ابر بیک سطرِ غبار
شعر ۷ کاٹ کر پھینکیے ناخن تو باندازِ ہلال — قوتِ نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار
شعر ۸ کفِ ہر خاک بہ گردوں شدہ قمری پرواز — دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤس شکار
شعر ۹ میکدے میں ہو اگر آرزوئے گل چینی — بھول جا یک قدحِ بادہ بہ طاقِ گلزار
شعر ۱۰ موجِ گل ڈھونڈھ بخلوت کدۂ غنچۂ باغ — گم کرے گوشۂ میخانہ میں گر تو دستار
کھینچے گر مانیِ اندیشہ چمن کی تصویر — سبز مثلِ خطِ نوخیز ہو خطِ پرکار
شعر ۱۱ لعل سے کی ہے پئے زمزمۂ مدحتِ شاہ — طوطیِ سبزۂ کہسار نے پیدا منقار
وہ شہنشاہ کہ جس کی پئے تعمیرِ سرا — چشمِ جبریل ہوئی قالبِ خشتِ دیوار
شعر ۱۲ فلک العرش ہجومِ خمِ دوشِ مزدور — رشتۂ فیضِ ازل سازِ طنابِ معمار
شعر ۱۳ سبزۂ نہ چمن و یک خطِ پشتِ لبِ بام — رفعتِ ہمتِ صد عارف و یک اوجِ حصار
واں کی خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پرِ کاہ — وہ رہے مروحۂ بالِ پری سے بیزار
شعر ۱۴ خاکِ صحرائے نجف جوہرِ سیرِ عرفا — چشمِ نقشِ قدم آئینۂ بختِ بیدار

ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینۂ ناز ۱۵ گرد اس دشت کی امید کو احرام بہار

آفرینش کو ہے واں سے طلب مستی ناز ۱۶ عرض خمیازۂ ایجاد ہی ہر موج غبار

مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہے اے شمع شبستان بہار ۱۷ دل پروانہ چراغان پر بلبل گلزار

شکل طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز ۱۸ ذوق میں جلوے کے تیرے بہوائے دیدار

تیری اولاد کے غم سے ہے بہ نشیبے گردون ۱۹ سلک اختر میں مہ نو مژہ گوہر بار

ہم عبادت کو ترا نقش قدم مہر نماز ۲۰ ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظہار

مدح میں تیری نہاں زمزمۂ نعت نبی جام سے تیرے عیاں بادۂ جوش اسرار

جوہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر ۲۱ یک طرف نازش مژگان و دگر سو غم خار

مردمک سے ہو عزا خانۂ اقبال نگاہ ۲۲ خاک در کی تری جو چشم نہ ہو آئینہ دار

دشمن آل نبی کو بطرب خانۂ دہر عرض خمیازۂ سیلاب ہو طاق دیوار

دیدہ تا دل اسد آئینہ یک پرتو شوق
فیض معنی سے غلط ساغر راقم سرشار۔

۱ کہتا ہے کہ فیض چمن سے چمن کا ایک ذرہ بھی بیکار نہیں ہے حتی کہ لالے کا سا بھی [illegible] دل کا سویدا ہے۔ بے کار نہیں ہے ۱۲

۲ کہسار کو تیغ قرار دیا اور سبزہ کہسار کو جوہر تیغ پھر اس جوہر تیغ کی تیزی کی توجیہ اس طرح کی کہ باد صبا کی مستی کے اثر سے سبزہ گویا ریزہ مینائے مے بن گیا ہے ۱۲۔ لطف یہ ہے کہ قلعہ کوہ کو تیغ کوہ کہتے بھی ہیں۔

۳ تاثیر بہار کا ذکر کرتا ہے کہ چیتے کے سیاہ داغ جام زمرد کے مانند سبز ہو گئے ہیں اور شرار رشتہ تاک کی طرح تازہ ہو گیا ہے۔ ۱۲

۴ مستی ابر سے حسرت بھی طرب اندوز ہو رہی ہے یعنی اس لیے کہ اس کیفیت میں غمہائے دنیا کا فراموش ہو جانا ممکن ہے۔

۵ راہین جو گویا سوئی ہوئی تھین یعنی جن پر کسی کا گذر نہو تھا اب وہ پھولون کے چٹکنے اور کھلنے سے گویا بیدار ہو گئی ہین ۔ اور کثرت گل کی بنا پر کوہ و صحرا بلبلون کے ہجوم شوق سے معمور ہین -

۶ جسطرح یتیم کی مژگان خاک آلودہ سے مدتون دریاے اشک جاری رہتا ہی اسی طرح فیض ہواے آج کل آسمان پر جو ذرا سا بھی غبار نظر آتا ہی اس مین ابر کثیر کی سی قابلیت بارش ہوتی ہی ۔۱۲

۷ قوت نامیہ کا یہ اثر ہی کہ اگر ناخن کاٹ کر پھینکا جاے تو وہ ہلال کی طرح بڑھکر بدر ہوجاے ۔۱۲

۸ کہتا ہی کہ بہار نے گویا ہر شے مین جان ڈال دی ہی ہر کف خاک قمری بن گئی ہی اور ہر کاغذ آتش زدہ کا دام طاؤس کا شکار کرتا ہی یعنی خود بصورت طاؤس ہوجاتا ہی "گرد ون شدہ" خاک کی صفت ہی اس کو قمری کہا کیونکہ اس کا رنگ بھی خاکی ہوتا ہی کاغذ کو آگ دکھانے سے اسمین بہت سے نقطہاے روشن پیدا ہوجاتے ہین اور وہ دام طاؤس سے مشابہ ہوجاتا ہی -

۹ اگر تجھکو میکدے مین گل چینی کی آرزو ہو تو طاق گلزار مین ایک قدح شراب کا رکھکر بھول جا نشو و نماے بہار کے اثر سے اُس ایک قدح کے ہزارون قدح ہوجائین گے اور گلزار مین میکدہ پیدا ہوجائیگا ۔۱۲

۱۰ یعنی ہواے بہار کی تاثیر گوشۂ میخانہ کو غنچۂ باغ خلوت کدہ یعنی گوشۂ باغ اور دستار کو موج گل بنادے گی ۔۱۲

۱۱ سبزہ کوہسار کو طوطی اور پہاڑون سے جو لعل نکلتا ہی اُس کو منقار طوطی قرار دے کر کہتا ہے کہ طوطی سُرخ منقار تیری مدحت سرائی کے لیے پیدا ہوئی ہے -

۱۲ اس قصر کی تعمیر کے لیئے عرش گویا دوش مزدور کا خم ہی اور رشتۂ فیض ازل گویا معمار کی ڈوری ہی جس سے وہ دیوار کی کجی و راستی کا اندازہ کرتا ہی ۔۱۲

۱۳ یعنی ممدوح کی پشت لب بام کا ایک خط سبزۂ نہ چمن کے برابر ہی اور اسکا حصار عالی ... کی ہمت کے برابر بلند ہو سبزۂ نہ چمن ستعارہ نو آسمانون سے ہی اور حریم عظمت دونون مصرعون مین مساوات کے لیے ہی -

۱۴ بحالت زیارت نجف صحراے نجف کی خاک عارفون کی سیر کا جوہر ہوتی ہی اور اس خاک پر جو نقش قدم پیدا ہوتے ہین وہ گویا آئینہ ہوتے ہین جسمین بخت بیدار کی صورت نظر آتی ہی ۔۱۲

۱۵ گرد نجف کا ہر ذرہ آفتاب کے لیے [illegible] ہی اور دشت نجف کی گرد نسبت نجف کی وجہ سے امید سے نخل بہار کا جانشین [illegible] ہے

۱۶ه ایجاد کو اس خاک پاک کی آفرینش پہ ناز ہو یس نجف کی ہر موج غبار گو یا آفرینش و ایجاد کی انگڑائی ہو جسکے ذریعہ وہ بہ زبان حال یہ ظاہر کرتے ہین کہ ہمکو اس شراب فخر ناز (یعنی نازِ ایجادِ نجف) کی پھر خواہش ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس سرزمین کو پیدا کرکے آفرینش کو بار بار ناز ہوتا ہے ۱۲

۱۷ه تیرے فیض نے پروانے کے دل کو چراغان اور بلبل کے پر دن کو گلزار بنا دیا ہے۔ یعنی ہر ایک کے مقاصد حاصل ہو گئے ہین ۱۲

۱۸ه یعنی آئینہ خانہ تیرے جلوے کے ذوق اور تیرے دیدار کی خواہش مین مثلِ طاؤس پرواز کرتا ہے۔ ۱۲

۱۹ه حسنین علیہما السلام کے غم مین مہ نو کو مژہ اور ستارون کو سلکِ اشک قرار دیا۔ ۱۲

۲۰ه تیرا نقش پا عبادت کے لیے سجدہ گاہ ہے اور ریاضت کو تیرے حوصلے کی مثال سے تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ۱۲

۲۱ه دست دعا کو آئینہ اور تاثیر کو اس آئینے کا جوہر قرار دے کر کہتا ہے کہ یہ تاثیر دعا مژگان خون فشان کے لیے مایۂ نازش ہے اور رخار حسرت کے لیے موجب ملال۔ مطلب یہ ہے کہ تیری دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے اور اس لیے اس کی تاثیر مژگان کے لیے (جو قبولیت دعا کے لیے خون فشان رہتی ہے) باعثِ ناز اور خارِ غم کے لیے موجب ملال ہے۔

۲۲ه جو آنکھ تیرے خاک در کی آئینہ دار ہو وہ اقبال نگاہ کا عزا خانہ ہو جاے ۱۲۔ اقبال نگاہ سے بخت مندی کا مگاری نگاہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس آنکھ کو کبھی کامگاری نگاہ نصیب نہ ہو۔ مردمک چشم کی سیاہی کے لحاظ سے آنکھ کو عزا خانۂ اقبال نگاہ کہا۔ ۱۲

۲۳ه دشمن آل نبی کے حق مین طرب خانۂ دہر کا ہر طاق دیوار عرض خمیازۂ سیلاب ہو جاے یعنی کبھی اُس کو خرمی نصیب نہ ہو۔ ۱۲۔ طاق مین جو خم ہوتا ہے اُس کی بنا پر اُسے خمیازہ سیلاب سے مشابہ کیا ہے

۲۴ه [illegible] دیگر دل تنگ ایک پرتو شوق کا آئینہ ہے اور فیض مستی سے ماتم ترودن کا سامان تیار ہے۔۱۲ یعنی مین ہمہ تن شوق ہون اور فیض منقبت علی سے میری تحریر لبریز ہے۔ ۱۲

قصیدہ

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہین
ہم کہان ہوتے اگر حسن نہوتا خودبین

بیدلیہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دین

ہرزہ ہے نغمۂ زیر و بم ہستی و عدم
لغو ہے آئینۂ فرق جنون و تمکین

نقش معنی ہمہ خمیازۂ عرض صورت
سخن حق ہمہ پیمانۂ ذوق تحسین

لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم
درد یک ساغر غفلت ہے چہ دنیا و چہ دین

مثل مضمون وفا باد بدست تسلیم
صورت نقش قدم خاک بفرق تمکین

عشق بے ربطی شیرازۂ اجزائے حواس
وصل زنگار رخ آئینۂ حسن یقین

کوہکن گرسنہ مزدور طربگاہ رقیب
بے ستون آئینۂ خواب گران شیرین

کس نے دیکھا نفس اہل وفا آتش خیز
کس نے پایا اثر نالۂ دلہائے حزین

سامع زمزمۂ اہل جہان ہون لیکن
نہ سر و برگ ستایش نہ دماغ نفرین

کس قدر ہرزہ سرا ہون کہ عیاذاً باللہ
یک قلم خارج آداب وقار و تمکین

نقش لاحول لکھ اے خامۂ ہذیان تحریر
یا علیؑ عرض کر اے فطرت وسواس قرین

مظہر فیض خدا جان و دل ختم رسل
قبلۂ آل نبی کعبۂ ایجاد یقین

ہو وہ سرمایۂ ایجاد جہان گرم خرام
ہر کف خاک ہو وان گردۂ تصویر زمین

جلوہ پرداز ہو نقش قدم اس کا جس جا
وہ کف خاک ہے ناموس دو عالم کی امین

نسبت نام سے اس کی ہے یہ رتبہ کہ رہے
ابداً پشت فلک خم شدۂ ناز زمین

فیض خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا
بوئے گل سے نفس باد صبا عطر آگین

برش تیغ کا اُس کی ہے جہان مین چرچا
قطع ہو جاے نہ سر رشتۂ ایجاد کہین

کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے
رنگ عاشق کی طرح رونق بتخانۂ چین

جان پناہا دل و جان فیض رسانا شاہا
وصی ختم رسل تو ہے بفتوائے یقین

جسم اطہر کو ترے دوش پیمبر منبر
نام نامی کو ترے ناصیۂ عرش نگین

کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب ۱۵ه
شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئین

آستان پر ہے ترے جوہر آئینۂ سنگ ۱۶ه
رقمِ بندگیِ حضرت جبریل امین

تیرے در کے لیے اسباب نثار آمادہ
خاکیون کو جو خدا نے دیے جان و دل و دین

تیری مدحت کے لیے ہین دل و جان کام و زبان
تیری تسلیم کو ہین لوح و قلم دست و جبین

کس سے ہوسکتی ہی مداحیِ ممدوحِ خدا
کس سے ہوسکتی ہی آرایش فردوس برین

جنسِ بازارِ معاصی اسد اللہ اسد
کہ سوا تیرے کوئی اسکا خریدار نہین

شوخیِ عرضِ مطالب مین ہے گستاخِ طلب
ہے ترے حوصلۂ فضل پہ از بسکہ یقین

دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حسنِ قبول
کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آمین

غمِ شبیر سے ہو سینہ یہان تک لبریز
کہ رہین خونِ جگر سے مری آنکھین رنگین

طبع کو الفتِ دلدل مین یہ سرگرمیِ شوق ۱۷ه
کہ جہان تک چلے اس سے قدم اور مجھ سے جبین

دلِ الفت نسب و سینۂ توحید فضا ۱۸ه
نگہِ جلوہ پرست و نفسِ صدق گزین

صرفِ اعدا اثرِ شعلۂ دودِ دوزخ
وقفِ احباب گل و سنبلِ فردوسِ برین

ہ۱ مسئلۂ وحدت وجود کی بنا پر کہتا ہی کہ دنیا کی ہر شے مین جلوۂ حق نمودار ہی اگر اس کو اپنا جلوہ خود دکھینا منظور نہ ہوتا تو کوئی چیز ظہور مین نہ آتی۔ ۱۲

ہ۲ تماشے یعنی نظارے کی نسبت کہتا ہی کہ وہ اس بے دلی کے ساتھ کیا گیا کہ نہ اس سے ذوق حاصل ہوا نہ عبرت علی ہذا القیاس تمنا کی بیکسی کی نسبت افسوس کرتا ہی کہ وہ نہ صرف دنیا کے متعلق ہی دین کے

ہ۳ وجود باری تعالیٰ کے سوا اشیا کے وجود عدم کی نسبت یا جنون و تمکین کے فرق کے متعلق گفتگو کرنا فضول ہی۔

ہ۴ نقش یعنی گویا عرض صورت کا خمیازہ ہی اور سخن حق گویا ذوق تحسین کا پیمانہ ہی۔ ۱۲
مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بظاہر "معنی" کے درپے ہین وہ درحقیقت اظہار صورت کے خواہشمند ہین یعنی آج کل معنی شناسی صورت شناسی سے زیادہ نہین ہی۔ علی ہذا القیاس جو لوگ امر حق کے اظہار مین بیباک نظر آتے ہین اُن کا مطلب بھی صرف یہ ہوتا ہی کہ لوگ ان کی تعریف کرین۔ ۱۲

ہ۵ معاملات دنیا مین دعوائے دانش غلط ہے اور امور دین مین نفع عبادت کی امید فضول حقیقت مے

کہ دنیا و دین دونون ایک ساغر غفلت کی دُرد ہین۔ ۱۲

۶؎ دنیا کی ہجو کرتا ہی کہ یہان تسلیم رضا سے اسی طرح کچھ فائدہ نہین ہوتا جسطرح دعا سے اور تمکین کو اسی طرح سے ذلت حاصل ہوتی ہی جسطرح نقش قدم خاک بسر ہوتا ہی۔ ۱۲

۷؎ اختلال حواس کا نام عشق ہی۔ اور وصل زنگار ہے حسن یقین کے آئینے کا یعنی اگر یقین کامل ہوتا تو وصل ظاہر کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ ۱۲

۸؎ کوہکن کی نسبت کہتا ہے کہ اپنے رقیب خسرو کی عشرت گاہ کا مزدور تھا۔ یعنی کچھ نہ تھا اور کوہ بے ستون تماثیل شیرین کی تصویر تھا۔

۹؎ یعنی دفع وسواس کے لیے یا علی کا ورد کر اور لاحول کا نقش لکھ۔ ۱۲ یہان نقش سے تعویذ مراد ہی مثلاً ۱۵ کا نقش ۱۲ کا نقش۔

۱۰؎ ایجاد کی رعایت سے کہتا ہی کہ وہ سرمایۂ ایجاد جہان خرام کرے وہان کی ایک مشت خاک سے کرۂ زمین بن سکتا ہی۔ ۱۲

۱۱؎ ابو تراب کنیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ مین لفظ تراب موجود ہی جسکے معنے خاک کے ہین اور زمین کو خاک سے نسبت ہی پس غالب کہتا ہی کہ اسی نسبت نام کے باعث زمین کے آگے پشت فلک ہمیشہ خم رہتی ہی۔ ۱۲

۱۲؎ اسکی برش تیغ کے شہرۂ عام سے خوف ہوتا ہی کہ کہین سر رشتۂ ایجاد و آفرینش ہی نہ قطع ہو جائے ۱۲

۱۳؎ اس کا جلوہ ایسا کفر کا مٹانے والا ہی جس سے بت خانۂ چین کی رونق رنگ عاشق کی طرح اڑ جائے رنگ کا لوٹنا اور رونق کا ٹوٹنا دونون فارسی محاورون کے ترجمے ہین۔ ۱۲

۱۴؎ دل و جان فیض رسانا یعنی اے فیض رسان دل و جان۔

۱۵؎ یعنی خدا کے سوا اور کسی سے تیری مدح نہین ہو سکتی شمع کی زینت آئین بندی شعلۂ شمع کے سوا اور کون کر سکتا ہے

۱۶؎ سنگ آستان ممدوح کو آئینہ قرار دیا ہی اور اس سنگ در پر حضرت جبرئیل کی جبین سائی کے جو نشان ہین اُن کو اس آئینے کا جوہر ٹھیرایا ہے۔ ۱۲

۱۷؎ "اس سے قدم اور مجھ سے زمین" فارسی کا ترجمہ یعنی اس کا قدم ہو اور میری جبین۔ ۱۲

۱۸؎ "الفت نسب" دل کی صفت ہے یعنی ایسا دل جسکو اُلفت سے نسبت ہو علی ہذا القیاس سینۂ توحید فضا یعنی ایسا سینہ جسکی فضا توحید ہو یعنی توحید سے معمور ہو۔ ۱۲

قصیدہ

ہان مہ نو سنین ہم اس کا نام
جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

ف دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح
یہی انداز اور یہی اندام

بارے دو دن کہان رہا غائب
بندہ عاجز ہے گردشِ ایام

اُڑ کے جاتا کہان کہ تارون کا
آسمان نے بچھا رکھا تھا دام

مرحبا اے سرورِ خاص خواص
حبذا اے نشاطِ عام عوام

عذر مین تین دن نہ آنے کے
لے کے آیا ہے عید کا پیغام

اس کو بھولا نہ چاہیے کہنا
صبح جو جاے اور آئے شام

ایک مین کیا کہ سب نے جان لیا
ترا آغاز اور ترا انجام

رازِ دل مجھ سے کیون چھپاتا ہے
مجھ کو سمجھا ہے کیا کہین نمام

جانتا ہون کہ آج دنیا مین
ایک ہی ہے امیدگاہ انام

مین نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش
غالب اس کا مگر نہین ہے غلام

۲ف جانتا ہون کہ جانتا ہے تو
تب کہا ہے بطرزِ استفہام

مہرِ تابان کو ہو تو ہو اے ماہ
قرب ہر روزہ بر سبیلِ دوام

ق تجھکو کیا پایہ روشناسی کا
جز بہ تقریبِ عیدِ ماہِ صیام

جانتا ہون کہ اُس کے فیض سے تو
پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام

ماہ بن ماہتاب بن مین کون
مجھکو کیا بانٹ دے گا تو انعام

میرا اپنا جدا معاملہ ہے
اور کے لین دین سے کیا کام

ہے مجھے آرزوے بخششِ خاص
گر تجھے ہے امیدِ رحمتِ عام

جو کہ بخشے گا تجھکو فرِ فروغ
کیا نہ دے گا مجھے مےِ گلفام

جبکہ چودہ منازلِ فلکی
کر چکے قطع تیری تیزیِ گام

تیرے پرتو سے ہون فروغ پذیر
کوے و مشکوے و صحن و منظر و بام

	دیکھنا میرے ہاتھ مین لبِ ساغر	غزل	اپنی صورت کا اک بلورین جام	
	پھر غزل کی روش پہ چل نکلا		توسنِ طبع چاہتا تھا لگام	
	زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام	سے	تجھکو کس نے کہا کہ ہو بدنام	
	مے ہی پھر کیون نہ مین پیے جاؤن		غم سے جب ہو گئی ہو زیست حرام	
	بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے	ے	کہ نہ سمجھین وہ لذتِ دشنام	
	کعبے مین جا بجائین گے ناقوس		اب تو باندھا ہے دیر مین احرام	
	اس قدح کا ہے دور مجھکو نقد		چرخ نے لی ہے جس سے گردشِ دام	
	بوسہ دیتے مین اُن کو ہے انکار		دل کے لینے مین جن کو تھا ابرام	

چھیڑتا ہون کہ ان کو غصہ آئے
کیون رکھون ورنہ غالب اپنا نام

سلہ ہر مہینے مین چاند دو دن چھپا کرتا ہے۔ اور تیسرے روز پھر نکلا کرتا ہے۔ مثلاً اگر چھبیسوین تاریخ کو چھپتا ہے تو تیسوین کو اور اگر ستائیسوین کو چھپتا ہے تو پھر تیسوین تاریخ کو نکلتا ہے چنانچہ اسی لحاظ سے اکثر لوگ رمضان کی ۲۶ اور ۲۷ تاریخ کو بوقت صبح چاند دیکھا کرتے ہین۔ ان دونون تاریخون کا چاند بہت باریک ہوتا ہے۔ ۱۲

سلہ یہ کہا ہے بطرز استفہام" یعنی بطور استفہام انکاری اس طرح پر پوچھا ہے کہ کیا غالب اس کا غلام نہین ہے یعنی یہ جانتا ہے کہ غالب بھی ممدوح کا غلام ہے۔ ۱۲

سلہ یعنی زہرِ غم سے میرا کام یونہین تمام ہوجاتا تو نے ناحق اپنے سر میرے قتل کا الزام لیا۔ ۱۲

سلہ یعنی اگر وہ یہ جان جائینگے کہ مجھکو دشنام مین بھی لذت ملتی ہے تو گالی دینا بھی موقوف کر دین گے۔

	کہہ چکا مین تو سب کچھ اب تو کہہ		اے پری چہرہ پیکِ تیز خرام
	کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا		ہین مہ و مہر و زہرہ و بہرام
	تو نہین جانتا تو مجھ سے سن		نامِ شاہنشہِ بلند مقام
	قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ		مظہرِ ذوالجلال والاکرام
	شہسوارِ طریقۂ انصاف		نو بہارِ حدیقۂ اسلام

جس کا ہر فعل صورت اعجاز — جس کا ہر قول معنی الہام
بزم میں میزبان قیصر و جم — رزم میں اوستاد رستم و سام
اے ترا لطف زندگی افزا — اے ترا عہد فرخی فرجام
چشم بد دور خسروانہ شکوہ — لوحش اللہ عارفانہ کلام
جان نثاروں میں تیرے قیصر روم — جرعہ خواروں میں تیرے مرشد جام
وارث ملک جانتے ہیں تجھے — ایرج و تور و خسرو و بہرام
زور بازو میں مانتے ہیں تجھے — گیو و گودرز و بیژن و رہام
ق مرحبا موشگافی ناوک — آفریں آبداری صمصام
شہ تیر کو تیرے تیر غیر ہدف — تیغ کو تیری تیغ خصم نیام
رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند — برق کو دے رہی ہے کیا الزام
تیرے فیل گراں جسد کی صدا — تیرے رخش سبک عناں کا خرام
ق فن صورت گری میں تیرا گرز — اگر نہ رکھتا ہو دستگاہ تمام
اس کے مضروب کے سر و تن سے — کیوں نمایاں ہو صورت ادغام
جب ازل میں رقم پذیر ہوئے — صفحہ ہائے لیالی و ایام
اور ان اوراق میں بہ کلک قضا — مجملاً مندرج ہوئے احکام
لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کش — لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام
آسماں کو کہا گیا کہ کہیں — گنبد تیز گرد نیلی فام
حکم ناطق لکھا گیا کہ لکھیں — خال کو دانہ اور زلف کو دام
آتش و آب و باد و خاک نے لی — وضع سوز و نم و رم و آرام
مہر رخشاں کا نام خسرو روز — ماہ تاباں کا نام شحنۂ شام
تیری توقیع سلطنت کو بھی — دی بدستور صورت ارقام
کاتب حکم نے بموجب حکم — اس رقم کو دیا طراز دوام
ہے ازل سے روانی آغاز — ہو ابد تک رسائی انجام

سلہ پہلے مصرع مین ممدوح کے تیر کی موشگافی کا ذکر کرتا ہی کہ وہ تیر تیر دشمن کو اپنا نشانہ بناتا ہے اور دوسرے مصرع مین آبداری تیغ کا حال لکھتا ہی کہ وہ تیغ تیغ دشمن کو کاٹ ڈالتی ہے ۱۲۰

سلہ لف و نشر مرتب ہی یعنی آتش کے لیے سوز آب کے لیے نم باد کے لیے رم اور خاک کے لیے آرام آیا ہی۔

قصیدہ

صبح دم دروازۂ خاور کھلا — مہر عالم تاب کا منظر کھلا

خسرو انجم کے آیا صرف مین — شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا (سلہ)

وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود — صبح کو راز مہ و اختر کھلا

ہین کواکب کچھ نظر آتے ہین کچھ — دیتے ہین دھوکا یہ بازیگر کھلا

سطح گردون پر پڑا تھا رات کو — موتیون کا ہر طرف زیور کھلا

صبح آیا جانب مشرق نظر — اک نگار آتشین رخ سر کھلا

تھی نظر بندی کیا جب رد سحر — بادۂ گل رنگ کا ساغر کھلا

لا کے ساقی نے صبوحی کے لیے — رکھ دیا ہے ایک جام زر کھلا

بزم سلطانی ہوئی آراستہ — کعبۂ امن و امان کا در کھلا

تاج زرین مہر تابان سے سوا — خسرو آفاق کے منہ پر کھلا

شاہ روشن دل بہادر شہ کہ ہے — راز ہستی اس پہ سر تا سر کھلا

وہ کہ جس کی صورت تکوین مین — مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا

وہ کہ جس کے ناخن تاویل سے — عقدۂ احکام پیغمبر کھلا

پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام — اس کے سرہنگون کا جب دفتر کھلا

روشناسون کی جہان فہرست ہی — وان لکھا ہے چہرۂ قیصر کھلا

(ق) توسن شہ مین ہی وہ خوبی کہ جب — تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا

نقش پا کی صورتین وہ دل فریب — تو کہے بت خانۂ آزر کھلا

مجھ پہ فیض تربیت سے شاہ کے — منصب مہر و مہ و محور کھلا

تھا دل وابستہ قفل بے کلید — کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا

لاکھ عقدے دل مین تھے لیکن ہر ایک
میری حدِ وسع سے باہر کھلا

باغ معنی کی دکھاؤن گا بہار
مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا

ہو جہان گرم غزل خوانی نفس
لوگ جانین طبلۂ عنبر کھلا

غزل

کنج مین بیٹھا رہون یون پر کھلا
کاشکے ہوتا قفس کا در کھلا

ہم پکارین اور کھلے یون کون جائے
یار کا دروازہ پاوین گر کھلا

ہم کو ہے اس رازداری پر گھمنڈ
دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا

واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ
زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا

ہاتھ سے رکھدی کب ابرو نے کمان
کب کمر سے غمزے کی خنجر کھلا

مفت کا کس کو برا ہے بدرقہ
رہروی مین پردۂ رہبر کھلا

سوز دل کا کیا کرے باران اشک
آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھلا

نامے کے ساتھ آگیا پیغام مرگ
رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا

دیکھیو غالب سے گر الجھا کوئی
ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال
پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا

۵۲ خامے نے پائی طبیعت سے مدد
بادبان کے اٹھتے ہی لنگر کھلا

۵۳ مدح سے ممدوح کے دیکھی شکوہ
یان عرض سے رتبۂ جوہر کھلا

مہر کانپا چرخ چکر کھا گیا
بادشہ کا رایتِ لشکر کھلا

بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب
اب علوے پایۂ منبر کھلا

سکہ شہ کا ہوا ہے روشناس
اب عیارِ آبروے زر کھلا

۵۴ شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ
اب مآل سعی اسکندر کھلا

ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے
اب فریب طغرل و سنجر کھلا

ہو سکے کیا مدح ہان اک نام ہے
دفتر مدح جہان داور کھلا

شکر اچھی پرستائش ناتمام
عجز اعجاز ستائش گر کھلا

جانتا ہوں ہے خطِ لوحِ ازل
تم پہ اے خاقان نامآور کھلا

تم کو دے صاحبقرانی جب تلک
ہے طلسم روز و شب کا در کھلا

۵۱ خسرو انجم سے مراد آفتاب ہے مطلب یہ ہے کہ آفتاب کے نور میں تارے چھپ گئے گویا خسرو انجم نے گنجینۂ گوہر کو صرف کر ڈالا ۱۲

۵۲ قلم کو لنگر سے تشبیہ دی اور طبیعت کو بادبان سے یعنی جسوقت قلم روان ہوا طبیعت بھی کھل گئی ۱۲

۵۳ مدح عرض ہے اور ممدوح جوہر یہاں مدح سے ممدوح کے شکوہ کا حال معلوم ہوگیا گویا عرض سے جوہر کا پتہ کھلا

۵۴ یعنی ایجاد آئینہ سے سکندر کی یہی غرض تھی کہ ممدوح کی آئینہ داری کی عزت حاصل کرے ۱۲

در صفت انبہ

ہان دل دردمند زمزمہ ساز
کیون نہ کھولے درِ خزینۂ راز

خامے کا صفحے پر روان ہونا
شاخ گل کا ہے گل فشان ہونا

مجھ سے کیا پوچھتا ہو کیا لکھیے
نکتہ ہاے خرد فزا لکھیے

بارے آمون کا کچھ بیان ہو جائے
خامہ نخل رطب فشان ہو جائے

آم کا کون مرد میدان ہے
ثمر و شاخ گوے و چوگان ہے

تاک کے جی مین کیون رہے ارمان
آئے یہ گوے اور یہ میدان

آم کے آگے پیش جاوے خاک
پھوڑتا ہی جلے پھپھولے تاک

نہ چلا جب کسی طرح مقدور
بادۂ ناب بن گیا انگور

یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے
شرم سے پانی پانی ہونا ہے

مجھ سے پوچھو تمھین خبر کیا ہے
آم کے آگے نیشکر کیا ہے

نہ گل اسمین نہ شاخ و برگ نہ بار
جب خزان آئے تب ہو اسکی بہار

اور دوڑائیے قیاس کہان
جان شیرین مین یہ [redacted] ن

جان مین ہوتی گر یہ شیرینی
کوہ کن باوجود [redacted]

جان دینے مین اس کو یکتا جان ‏ پر وہ یون سہل دے نہ سکتا جان
نظر آتا ہے یون مجھے یہ ثمر ‏ کہ دواخانۂ ازل مین مگر
آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام ‏ شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام
یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے ‏ باغبانون نے باغِ جنت سے
انگبین کے بحکمِ رب الناس ‏ بھر کے بھیجے ہین سربمہر گلاس
یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات ‏ مدتون تک دیا ہے آبِ حیات
تب ہوا ہے ثمر فشان یہ نخل ‏ ہم کہان ورنہ اور کہان یہ نخل
تھا ترنجِ زر ایک خسرو پاس ‏ رنگ کا زرد پر کہان بو باس
آم کو دیکھتا اگر اک بار ‏ پھینک دیتا طلاے دست افشار
رونقِ کارگاہِ برگ و نوا ‏ نازشِ دودمانِ آب و ہوا
رہ روِ راہِ خلد کا توشہ ‏ طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ
صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم ‏ ناز پروردۂ بہار ہے آم
خاص وہ آم جو نہ ارزان ہو ‏ نوبرِ نخلِ باغِ سلطان ہو
وہ کہ ہے والیِ ولایتِ عہد ‏ عدل سے اُسکے ہے حمایتِ عہد
فخرِ دین عزِ شان و جاہ و جلال ‏ زینتِ طینت و جمالِ کمال
کارفرماے دین و دولت و بخت ‏ چہرہ آراے تاج و مسند و تخت
سایہ اُس کا ہما کا سایہ ہے ‏ خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے
اے مفیضِ وجودِ سایہ و نور ‏ جب تلک ہے نمودِ سایہ و نور
اس خداوند بندہ پرور کو ‏ وارثِ گنج و تخت و افسر کو

شاد و دلشاد و شادمان رکھیو
اور غالب پہ مہربان رکھیو

قطعات

اے شہنشاہِ فلک منظرِ بے مثل و نظیر ‏ اے جہاندارِ کرم شیوۂ بے شبہ و عدیل

پانوں سے تیرے ملے فرق ارادت اورنگ	سه۵۱	فرق سے تیرے کرے کسب سعادت اکلیل
تیرا انداز سخن شانۂ زلف الہام	سه۵۲	تیری رفتار قلم جنبش بال جبریل
تجھ سے عالم پہ کھلا رابطۂ قرب کلیم	سه۵۳	تجھ سے دنیا مین بچھا مائدۂ بذل خلیل
بہ سخن اوج دہ مرتبۂ معنی لفظ	سه۵۴	بکرم داغ نہ ناصیۂ قلزم و نیل
تا ترے وقت مین ہو عیش و طرب کی توفیر	سه۵۵	تا ترے عہد مین ہو رنج والم کی تقلیل
ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر		زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل
تیری دانش مری اصلاح مفاسد کی رہین		تیری بخشش مری انجاح مقاصد کی کفیل
تیرا اقبال ترحم مرے جینے کی نوید		تیرا انداز تغافل مرے مرنے کی دلیل
بخت ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھکو امان		چرخ کج باز نے چاہا کہ کرے مجکو ذلیل
پیچھے ڈالی ہے سررشتۂ اوقات مین گانٹھ	سه۵۶	پہلے ٹھونکی ہے بن ناخن تدبیر مین کیل
تپش دل نہین بے رابطۂ خوف عظیم	سه۵۷	کشش دم نہین بے ضابطۂ جر ثقیل
در معنی سے مرا صفحہ لقا کی داڑھی	سه۵۸	غم گیتی سے مرا سینہ امر کی زنبیل
فکر میری گہر اندوز اشارات کثیر	سه۵۹	کلک میری رقم آموز عبارات قلیل
میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدق توضیح		میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش تفصیل
نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف		جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

قبلۂ کون و مکان خستہ نوازی مین یہ دیر
کعبۂ امن و امان عقدہ کشائی مین یہ ڈھیل

سه۵۱ تخت تیرے قدمون سے اپنا سر ارادت ملتا ہو اور تاج تیرے سر سے کسب سعادت کرتا ہے ۱۲

سه۵۲ تیرا انداز سخن الہام کی زلف کا شانہ ہے یعنی وہ الہامی دقایق کو سلجھا دیتا ہے۔

سه۵۳ تجھکو قرب کلیم و بذل خلیل دونون حاصل ہین۔

سه۵۴ تیرے کلام سے معنی و لفظ کا مرتبہ بلند ہوتا ہے اور تیرے کرم سے قلزم و نیل شرمندہ ہے ۱۲

سه۵۵ ماہ کا برج ثور مین اور زہرہ کا برج حوت مین ہونا مبارک ہوتا ہے پس غالب کہتا ہے کہ اس غرض سے کہ تیرے عہد مین ہمیشہ عیش و عشرت قائم رہے ماہ و زہرہ نے ثور و حوت مین مستقل طور پر قیام کر لیا ہے ۱۲

۶ یعنی جب ناخن تدبیر کو کیل ٹھونک کر بیکار کر دیا تب میرے سر رشتہ امید میں گرہ ڈالی کہ کسی طرح کھل ہی نہ سکے ۱۲

۷ یعنی تپش دل میرے لیے موجب خوف عظیم ہے اور سانس لینا جر ثقیل سے کم نہین ۱۲

۸ مشہور ہے کہ لقا کی داڑھی کے ہر ہر بال مین موتی پروئے گئے تھے اور عمرو عیار کی زنبیل کی نسبت تو سب جانتے ہین کہ جو کچھ اس مین پڑتا تھا غائب ہو جاتا تھا اور کبھی پر نہ ہوتی تھی ۱۲

غالب نے عمرو کے بجاے "امر" شاید بلحاظ ادب لکھا ہے یعنی اس خیال سے کہ عمرو عیار جو ایک فرضی نام ہے اسمین اور حضرت عمرو ابن امیہ صحابی کے نام مین خلط ملط نہو جاے۔

۹ یعنی گو میری عبارت قلیل ہے لیکن اسمین معانی اور اشارات کثیر ہین۔

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیرونکی وفاداری	۱	کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے
بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ		قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہین کیون ہم کہتے تھے

۱ "تقریر کردن" فارسی محاورے کا ترجمہ کیا ہے "غیرون کی وفاداری تقریر کیا کرتے تھے" یعنی بیان کرتے تھے۔

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین	اک تیر میرے سینے مین مارا کہ ہاے ہاے
وہ سبزہ زار ہاے مطرا کہ ہے غضب	وہ نازنین بتان خود آرا کہ ہاے ہاے
صبر آزما وہ اُن کی نگاہین کہ حف نظر	طاقت ربا وہ اُن کا اشارا کہ ہاے ہاے
وہ میوہ ہاے تازہ و شیرین کہ واہ واہ (چشم بد دور)	وہ بادہ ہاے ناب گوارا کہ ہاے ہاے
ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی	زیب دیتا ہے اسے جسقدر اچھا کہیے
خامہ انگشت بہ دندان کہ اُسے کیا لکھیے	ناطقہ سر بہ گریبان کہ اُسے کیا کہیے
مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھیے	حرز بازوے شگرفان خود آرا کہیے
مسی آلود سر انگشت حسینان لکھیے	داغ طرف جگر عاشق شیدا لکھیے
خاتم دست سلیمان کے مشابہ لکھیے	سر پستان پری زاد سے مانا کہیے
اختر سوختہ قیس سے نسبت دیجیے	خال مشکین رخ دل کش لیلا کہیے
حجر الاسود دیوار حرم کیجیے فرض	نافہ آہوے بیابان ختن کا کہیے
وضع مین اس کو اگر سمجھیے قاف تریاق	رنگ مین سبزۂ نوخیز مسیحا کہیے
صومعے مین اُسے ٹھہرائیے گر مہر نماز	میکدے مین اسے خشت خم صہبا کہیے

کیون اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھیے — کیون اسے [illegible] پرکارِ تمنا کہیے
کیون اُسے گوہرِ نایاب تصور کیجیے — کیون اُسے مردمکِ دیدۂ عنقا کہیے
کیون اسے تکمۂ پیراہنِ لیلا لکھیے — کیون اُسے نقشِ پےِ ناقۂ سلما کہیے
بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجے فرض — اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

قطعہ

نہ پوچھ اس کی حقیقت حضورِ والا نے — مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی
نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر — جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی
منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی — اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے
سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری — کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے
آزادہ رو ہون اور مرا مسلک ہے صلحِ کل — ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہون — مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
اُستادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال — یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
جامِ جہان نما ہے شہنشاہ کا ضمیر — سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
مین کون اور ریختہ ہان اس سے مدعا — جز انبساطِ خاطرِ حضرت نہیں مجھے
سہرا لکھا گیا ز رہِ امتثالِ امر (تعمیلِ ارشاد) — دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
مقطع مین آپڑی ہے سخن گسترانہ بات — له — مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ — سودا نہیں جنون نہیں وحشت نہیں مجھے
قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہین — ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہون اپنے قول مین غالب خدا گواہ
کہتا ہون سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

له یہ اشارہ سہرے کے اس مقطع کی جانب ہے

ہم سخن فہم ہین غالب کے طرفدار نہین — دیکھین اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھکر سہرا

جس کو سن کر بہادر شاہ کو خیال ہوا کہ مرزا نے ذوق پر چوٹ کی ہے چنانچہ یہ قطعہ غالب

بادشاہ کی رفع بدگمانی ہی کی غرض سے لکھا تھا۔

خوش ہو اے بخت کہ ہی آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادے جوان بخت کے سر پر سہرا

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہی
ہے ترے حسن دل افروز کا زیور سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہی پر اے طرف کلاہ
مجھکو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہون گے موتی
ورنہ کیون لائے ہین کشتی مین لگا کر سہرا

سات دریا کے فراہم کیے ہونگے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا

رُخ پہ دولھا کے جو گرمی سے پسینا ٹپکا
ہے رگِ ابر گہر بار سراسر سہرا

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

جی مین اترائین نہ موتی کہ ہمین ہین اک چیز
چاہیے پھولون کا بھی ایک مقرر سہرا

جبکہ اپنے مین سماوین نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولون کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

رُخ روشن کی دمک گوہر غلطان کی چمک
کیون نہ دکھلائے فروغ مہ و اختر سہرا

تار ریشم کا نہین ہے یہ رگِ ابر بہار
لائے گا تاب گران باری گوہر سہرا

ہم سخن فہم ہین غالب کے طرفدار نہین
دیکھین اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے
تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے

گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
رونق بزم مہ و مہر تری ذات سے ہے

اور مین وہ ہون کہ گر جی مین کبھی غور کرون
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

خستگی کا ہو بھلا جسکے سبب سے سردست
نسبت اک گونہ مرے دل کو ترے ہات سے ہے

ہاتھ مین تیرے رہے توسن دولت کی عنان
یہ دعا شام و سحر قاضی حاجات سے ہے

تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا
گو شرف خضر کی بھی مجھکو ملاقات سے ہے

اس پہ گذرے نہ گمان ریو و ریا کا زنہار
غالب خاک نشین اہل خرابات سے ہے

متفرقات

ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو
رکھ دین چمن مین بھر کے مے مشک بو کی ناند

جو آئے جام بھر کے پیے اور ہو کے مست
سبزے کو روندتا پھرے پھولون کو جاے پھاند

غالب یہ کیا بیان ہے بجز مدح بادشاہ
بھاتی نہین ہے اب مجھے کوئی نوشتِ خواند

بٹتے ہین سونے روپے کے چھلے حضور مین
ہے جن کے آگے سیم و زر مہر و ماہ ماند

یون سمجھیے کہ بیچ سے خالی کیے ہوے
لاکھون ہی آفتاب ہین اور بیشمار چاند

در مدح شاہ

اے شاہ جہانگیر جہان بخش جہاندار
ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت

جو عقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو
تو وا کرے اس عقدے کو سو بھی باشارت

ممکن ہے کرے خضر سکندر سے ترا ذکر سلہ
گر لب کو نہ دے چشمۂ حیوان سے طہارت

آصف کو سلیمان کی وزارت سے شرف تھا
ہے فخر سلیمان جو کرے تیری وزارت

ہے نقش مریدی ترا فرمان الٰہی سٹہ
ہے داغ غلامی ترا توقیع امارت

تو آب سے گر سلب کرے طاقتِ سیلان ق
تو آگ سے گر دفع کرے تاب شرارت

ڈھونڈھے نہ ملے موجۂ دریا مین روانی
باقی نہ رہے آتشِ سوزان مین حرارت

ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی مین توغل
ہے گرچہ مجھے سحر طرازی مین مہارت

کیونکر نہ کرون مدح کو مین ختم دعا پر
قاصر ہے شکایت سے تری میری عبارت

نوروز ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہین
نظارگیِ صنعتِ حق اہلِ بصارت

تجھکو شرفِ مہرِ جہان تاب مبارک
غالب کو ترے عتبۂ عالی کی زیارت

سلہ یعنی یہ ممکن نہین ہے کہ خضر بغیر چشمۂ حیوان سے لب کو پاک کیے ہوے سکندر سے ترا ذکر کرے ۲

سٹہ یعنی تیرے ساتھ ارادت رکھنا گویا نقش ہیکل کا بجا لانا ہے اور تیری غلامی امارت سے بڑھ [illegible]

قطعہ

افطار صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو
اس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے

جس پاس روزہ کھول کے کھانیکو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

گذارش مصنف بحضور شاہ

اے شہنشاہ آسمان اورنگ
اے جہاندار آفتاب آثار

تھا مین اک بے نوائے گوشہ نشین
تھا مین اک دردمند سینہ فگار

تم نے مجھکو جو آبرو بخشی
ہوئی میری وہ گرمی بازار

کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز
روشناس ثوابت و سیار

اگرچہ از روے ننگ بے ہنری
ہون خود اپنی نظر مین اتنا خوار

کہ گر اپنے کو مین کہون خاکی
جانتا ہون کہ آئے خاک کو عار

شاد ہون لیکن اپنے جی مین کہ ہون
بادشہ کا غلام کارگزار

خانہ زاد اور مرید اور مداح
تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار

بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر
نسبتین ہو گئین مشخص چار

نہ کہون آپ سے تو کس سے کہون
مدعاے ضروری الاظہار

پیر و مرشد اگرچہ مجھکو نہین
ذوق آرایش سر و دستار

کچھ تو جاڑے مین چاہیے آخر
تا نہ دے باد زمہریر آزار

کیون نہ درکار ہو مجھے پوشش
جسم رکھتا ہون ہے اگرچہ نزار

کچھ خریدا نہین ہے اب کی سال
کچھ بنایا نہین ہے اب کی بار

رات کو آگ اور دن کو دھوپ
بھاڑ مین جائین ایسے لیل و نہار

آگ تاپے کہان تلک انسان
دھوپ کھائے کہان تلک جاندار

دھوپ کی تابش آگ کی گرمی
وقنا ربنا عذاب النار

میری تنخواہ جو مقرر ہے
اس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار

رسم ہے مردے کی چھ ماہی ایک
خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار

مجھ کو دیکھو تو ہون بقید حیات
اور چھ ماہی ہو سال مین دو بار

بسکہ لیتا ہون ہر مہینے قرض
اور رہتی ہے سود کی تکرار

میری تنخواہ مین تہائی کا
ہو گیا ہے شریک ساہوکار

آج مجھ سا نہین زمانے مین
شاعر نغز گوے خوش گفتار

رزم کی داستان اگر سنیے
ہے زبان میری تیغ جوہر دار

بزم کا التزام گر کیجے
ہے قلم میری ابر گوہر بار

ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد
قہر ہے گر کرو نہ مجھ کو پیار

آپ کا بندہ اور پھرون ننگا
آپ کا نوکر اور کھاؤن اُدھار

میری تنخواہ کیجے ماہ بماہ
تا نہ ہو مجھکو زندگی دشوار

ختم کرتا ہون اب دعا پہ کلام
شاعری سے نہین مجھے سروکار

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

قطعات

بدبخت گلم ہون لازم ہے میرا نام نہ لے
جہان مین جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے

ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے
کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے

سہل تھا مسہل ولے یہ سخت مشکل آپڑی
مجھ پہ کیا گذرے گی اتنے روز حاضر بن ہوے

تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد لہ
تین مسہل تین تبریدین یہ سب کتنے دن ہوے

لہ یعنی کل بارہ روز کی رخصت مانگی ہے ۱۲

خجستہ انجمن طوے (بیاہ ۱۲) میرزا جعفر
کہ جسکے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی محظوظ

ہوئی ہے ایسی ہی فرخندہ سال مین غالب
نہ کیون ہو مادۂ سال عیسوی محظوظ
۱۸۵۴ع

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی
ہوا بزم طرب مین رقص ناہید

کہا غالب سے تاریخ اس کی کیا ہے
تو بولا انشراح جشن جمشید ۱۲

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوے سلام	؎	دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں اس سے ہی یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

؎ یہ دربار شاہی کا ایک قاعدہ تھا کہ اگر بادشاہ کے سوا کسی کو سلام کرنا ہوتا تھا تو بجاے پیشانی پر ہاتھ رکھنے کے کانوں کی جانب ہاتھ لیجاتے تھے۔

رباعی

بعد از اتمام بزم عید اطفال آپہونچے ہیں تا سواد اقلیم عدم		ایام جوانی رہے ساغر کش حال اے عمر گذشتہ یک قدم استقبال
شب زلف و رخ عرق فشاں کا غم تھا رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک	؎	کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا ہر قطرۂ اشک دیدۂ پرنم تھا

؎ زلف و روے یار کی یاد میں جو آنسو نکلے اُس میں زلف و رخ کی سیاہی اور سپیدی کے اثر سے آنکھ کی سی کیفیت پیدا ہوگئی پس میں گویا ہزار آنکھ سے رویا۔ ۱۲

آتش بازی ہے جیسے شغل اطفال تھا موجد عشق بھی قیامت کوئی	؎	ہے سوز جگر کا بھی اسی طور کا حال لڑکوں کے لیے گیا ہے کیا کھیل نکال

؎ موجد عشق نے اطفال حسین کے لیے اچھا کھیل نکالا ہر عشاق کے سوز جگر کا آتش بازی کی طور پر تماشا دیکھتے ہیں ۱۲

دل تھا کہ جو جان درد تمہید سہی ہم اور فسردن اے تجلی افسوس	بیتابی رشک و حسرت دید سہی تکرار روا نہیں تو تجدید سہی

؎ درد تمہید جان کی صفت ہے یعنی کیسی ہی سختی کی تمہید درد سے ہو۔ مطلب یہ ہی کہ جب تک ہمارے پاس دل تھا اس وقت تک ہم نے رنج و الم رشک و حسرت سب ہی کچھ برداشت کیا لیکن اب تو ہم میں افسردگی ہے پس ایسی حالت میں اے تجلی بار اگر تکرار ممکن نہیں ہے تو تجدید ہی سہی بہرحال کسی طرح سے اس سوز و ساز اور رشک و حسرت کی لذت پھر حاصل ہو۔ ۱۲

ہے خلق حسد قماش لڑنے کے لیے یعنی ہر بار صورت کاغذ باد	؎	وحشت کدۂ تلاش لڑنے کے لیے ملتے ہیں یہ بدمعاش لڑنے کے لیے
دل سخت نژند ہو گیا ہے گویا پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں		اس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا غالب منہ بند ہو گیا ہے گویا

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب
دل رک رک کر بند ہو گیا ہے غالب
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں
سونا سوگند ہو گیا ہے غالب

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سن سن کے اسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمایش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

بھیجی ہے جو مجھکو شاہ جم جاہ نے دال
ہے لطف و عنایات شہنشاہ پہ دال
یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال
ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

ہین شہ مین صفات ذوالجلالی باہم
آثار جلالی و جمالی باہم
ہون شاد نہ کیون سافل و عالی باہم
ہے اب کی شب قدر و دوالی باہم

حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے
تا شاہ شیوع دانش و داد کرے
یہ دی جو گئی ہے رشتۂ عمر مین گانٹھ
ہے صفر کہ افزایش اعداد کرے

اس رشتے مین لاکھ تار ہون بلکہ سوا
اتنے ہی برس شمار ہون بلکہ سوا
ہر سیکڑے کو ایک گرہ فرض کرین
ایسی گرہین ہزار ہون بلکہ سوا

کہتے ہین کہ اب وہ مردم آزار نہین
عشاق کی پرسش سے اُسے عار نہین
جو ہاتھ کہ ظلم سے اُٹھایا ہوگا[۱]
کیونکر مانون کہ اُس مین تلوار نہین

[۱] ہاتھ اُٹھانا ایک تو معمولی معنون مین مستعمل ہے مثلاً مارنے کے لیے ہاتھ اٹھانا اور ایک ترک کرنے کے معنون مین مثلاً ظلم سے ہاتھ اُٹھانا۔ یہان ان دونون معنون پر غور کرنے سے مضمون کا لطف دریافت ہو سکتا ہے ۱۲

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے
کرتے ہین درنگ کام کرنے والے
کہتے ہین کہین خدا سے اللہ اللہ
وہ آپ ہین صبح و شام کرنے والے[۲]

سامان خور و خواب کہان سے لاؤن
آرام کے اسباب کہان سے لاؤن
روزہ مرا ایمان ہے غالب لیکن
نسخی و برف آب کہان سے لاؤن

ان سیم کے بیجون کو کوئی کیا جانے
بھیجے ہین جو ارمغان شہ والا نے
گن کر دینگے ہم دعائین سو بار
فیروزے کی تسبیح کے ہین یہ دانے

فقط

[۲] وہ یعنی خدا خود بدولت صبح و شام کیا کرتا ہے یعنی شام کرنا ٹالنے کے معنون مین مستعمل ہے ۱۲

ضمیمہ ؎

غزل

لطف نظارۂ قاتل دمِ بسمل آئے
جان جائے تو بلا سے پہ کہیں دل آئے

اُن کو کیا علم کہ کشتی پہ مری کیا گذری
دوست جو ساتھ مرے تا لبِ ساحل آئے

وہ نہیں ہم کہ چلے جائیں حرم کو اے شیخ
ساتھ حجاج کے اکثر کئی منزل آئے

آئیں جس بزم میں وہ لوگ پکار اُٹھتے ہیں
لو وہ برہم زنِ ہنگامۂ محفل آئے

دیدہ خونبار ہے مدت سے و لے آج ندیم
دل کے ٹکڑے بھی کئی خون کے شامل آئے

سامنا حور و پری نے نہ کیا ہے نہ کریں
عکس تیرا ہی مگر تیرے مقابل آئے

اب ہے دلی کی طرف کوچ ہمارا غالب
آج ہم حضرتِ نواب سے بھی مل آئے

؎ اس ضمیمہ میں وہ غزلیں اور اشعار ہیں جو راقم حروف کو مختلف ذرائع سے حاصل ہوئے ہیں اور جو مطبوعہ دیوان غالب میں موجود نہیں حسرت

غزل دیگر

میں ہوں مشتاقِ جفا مجھ پہ جفا اور سہی
تم ہو بیداد سے خوش اس سے سوا اور سہی

تم ہو بت پھر تمھیں پندارِ خدائی کیوں ہے
تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی

خلد میں کیسے تو دوزخ بھی ملائیں یارب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

ہم سے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی
ایک بیداد گرِ رنج فزا اور سہی

جاتا ہوں جدھر اُٹھتی ہے سب کی اُدھر انگشت
یکدست جہاں مجھ سے پھرا ہے مگر انگشت

کس قدر خاک ہوا ہے دلِ مجنوں یارب
نقشِ ہر ذرہ سویدائے بیاباں نکلا

بہ رہن شرم ہے باوصف شوخی اہتمام اُس کا
نگیں میں جوں شرارِ سنگ ناپیدا ہے نام اُس کا

مسی آلودہ ہے مُہرِ نوازش نامہ ظاہر ہے
کہ داغِ آرزوئے بوسہ دیتا ہے پیام اُس کا

بامید نگاہِ خاص ہوں محمل کشِ حسرت
مبادا ہو عنان گیرِ تغافل لطفِ عام اُس کا

شب کہ ذوقِ گفتگو سے تیرے دل بیتاب تھا
ترخمِ وحشت سے افسانہ فسونِ خواب تھا

بیاں ہجوم نغمہاے ساز عشرت تھا اسد | ناخن غم یاں سر تار نفس مضراب تھا

دود کو آج اس کے ماتم میں سیہ پوشی ہوئی | وہ دل سوزاں کہ کل تک شمع ماتم خانہ تھا
شکوہ یاراں غبار دل میں پنہاں کر دیا | غالب ایسے گنج کو شایاں یہی ویرانہ تھا

پھر وہ سوے چمن آتا ہے خدا خیر کرے | رنگ اڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا

معزولی تپش ہوئی افراط انتظار | چشم کشودہ حلقۂ بیروں در ہے آج

میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب | جس کا دیوان کم از گلشن کشمیر نہیں

مے کشی کو نہ سمجھ بے حاصل | بادہ غالب عرق بید نہیں

ہے نزاکت بسکہ فصل گل میں معمار چمن | قالب گل میں ڈھلی ہے خشت دیوار چمن

ظاہر ہیں میری شکل سے افسوس کے نشاں | خار الم سے پشت بدنداں گزیدہ ہوں
ہوں گرمی نشاط تصور سے نغمہ سنج | میں عندلیب گلشن نا آفریدہ ہوں

ابر روتا ہے کہ بزم طرب آمادہ کرو | برق ہنستی ہے کہ فرصت کوئی دم ہے ہم کو

ہندوستان سایۂ گل پاے تخت تھا | جاہ و جلال عہد وصال بتاں نہ پوچھ
ہر داغ تازہ یک دل داغ انتظار ہے | عرض فضاے سینۂ درد امتحاں نہ پوچھ

کہتا تھا کل وہ محرم راز اپنے سے کہ آہ
درد جدائی اسد اللہ خاں نہ پوچھ

ہجوم ریزش خوں کے سبب رنگ اڑ نہیں سکتا | حناے پنجۂ صیاد مرغ رشتہ بر پا ہے

غالب ز بسکہ سوکھ گئے چشم میں سرشک | آنسو کی بوند گوہر نایاب ہو گئی

بہا ہے یاں تک اشکوں میں غبار کلفت خاطر | کہ چشم تر میں ہر اک پارۂ دل پاے در گل ہے

[illegible] موقوف انداز تغافل ہو | تکلف بر طرف تجھ سے تری تصویر بہتر ہے
[illegible] شوخی رنگ یاقوت دکھلا | یاں ہے کہ صحبت خس آتش پار ہے

فاضل استاد کلکتہ مولوی سراج الدین [illegible] صاحب [illegible] کی فرمائش سے مرزا نے اپنے دیوان اردو و فارسی کا خود انتخاب کیا [illegible] راقم کے پاس [illegible] نسخہ موجود ہے چنانچہ اشعار تتمہ اسی سے نقل کیے گئے ہیں [illegible]

تمت بالخیر

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائیگا۔

کتب خانہ
جامعہ عثمانیہ

۱- اراکین مجلس اعلیٰ، مجلس تعلیمات، [illegible] ایک وقت میں [illegible] کتابیں لے سکتے ہیں
مجالس شعبہ جات و نظامت [illegible]

۲- اساتذہ جامعہ عثمانیہ و کلیہ جات [illegible] ایک وقت میں [illegible] کتابیں لے سکتے ہیں
و اراکین دار الترجمہ [illegible] دو کتابیں [illegible]

۳- طلباء [illegible] ایک وقت میں [illegible] کتابیں لے سکتے ہیں
[illegible]

۴- [illegible]

۵- [illegible]

۶- [illegible]

۷- کتاب [illegible]

۸- [illegible] فقط

حسرت موہانی
دیوان غالب
7277
2 DEC 1952